ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

12

19 تا 25 مارچ 2013ء/6 تا 12 جمادی الاوّل 1434ھ

اس شمارے میں

نگران سیٹ اپ؟

مکافات کا قانون الٰہی

دین حق کا اصل تقاضا

پرواز میں کوتاہی

تقویٰ؟

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

فرقہ واریت یا منظم دہشت گردی؟

سلام کو رواج دیجیے!

حویلی کا راز

قانونِ الٰہی

قانون خداوندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا، حد سے باہر نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ قانون الٰہی یہ بھی ہے کہ دنیا میں کسی قوم یا حکمران کو ہمیشہ غلبہ حاصل نہیں ہوتا اور قوموں کے درمیان ایام میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے۔ قانونِ قدرت یہ بھی ہے کہ جب تک کوئی قوم خود اپنے اندر تبدیلی کا خیال پیدا نہیں کرتی اس کی حالت تبدیل نہیں ہوتی۔ بہرحال یہ انقلاب برپا ہو کے رہتا ہے کیونکہ قانونِ خداوندی اٹل ہے۔

خرابی ہمیشہ اندر سے واقع ہوتی ہے اور پھر سرطان کی طرح پورے نظام کو لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ جب پھوڑا متعفن ہو جاتا ہے تو پھر نشتر اور آپریشن ناگزیر ہو جاتا ہے، قدرت کا کوڑا برستا ہے اور آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کے نشان چھوڑ جاتا ہے۔ یہ کوڑا کبھی چنگیز کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، کبھی ہلاکو کی صورت میں، کبھی تیمور کی صورت میں، کبھی نادر شاہ کی صورت میں اور کبھی آپس میں لڑ لڑ مرنے کی صورت میں۔ قدرت کی طرف سے یہ عذاب اس وقت نازل ہوتے ہیں جب اصلاح کا جذبہ اجتماعی طور پر ختم ہو جائے یا اصلاح کی طرف متوجہ کرنے والے مٹھی بھر عناصر کی بات نہ سنی جائے بلکہ ان کی تذلیل کی جائے۔

قدرت جلدی کسی قوم سے ناامید نہیں ہوتی، انتظار کرتی ہے۔ آخری اور کاری ضرب اس وقت لگائی جاتی ہے جب خیر کا عنصر قومی جسد سے بالکل خارج ہو جاتا ہے۔ مسلمان حکمرانوں اور قوموں پر ہمیشہ اس وقت زور سے خدائی قہر کا کوڑا برسایا گیا جب ان کے اندر گمراہ کن عقیدے اور بے دینی کے خیالات بہت زیادہ زور پکڑ رہے تھے اور حکمرانوں کو محض ذاتی عشرتوں سے سروکار تھا، عدل وانصاف کے بجائے فسق وفجور اور ظلم وجور کا سکہ رائج ہو گیا تھا۔

سقوطِ بغداد سے سقوطِ ڈھاکہ تک

میاں محمد افضل

الہدیٰ (554)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سورۃ الرعد

(آیات:1، 2)

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

الٓمّٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲

تمہیدی کلمات

سورۃ الرعد سے مکی مدنی سورتوں کے زیرِ مطالعہ گروپ کے دوسرے ذیلی گروپ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس ذیلی گروپ میں اس سورت کے علاوہ سورۂ ابراہیم اور سورۃ الحجر شامل ہیں۔ یہ تینوں سورتیں نسبتاً چھوٹی ہیں' جبکہ پہلے ذیلی گروپ میں شامل تینوں سورتیں ان کے مقابلے میں طویل تھیں۔ سورۃ الرعد اور سورۂ ابراہیم کا آپس میں جوڑے کا تعلق ہے' ان دونوں کے مضامین میں بھی مشابہت ہے اور طوالت میں بھی یہ تقریباً برابر ہیں' البتہ سورۃ الحجر منفرد ہے۔ جہاں تک سورۃ الرعد کے موضوع کا تعلق ہے یہ سورت ''التذکیر بِآلاءِ اللہ'' پر مشتمل ہے۔ اس میں اقوامِ گزشتہ کا تذکرہ کسی رسول یا قوم کا نام لیے بغیر بالکل سرسری انداز میں آیا ہے۔

آیت 1 ﴿الٓمّٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ﴾ ''ال م ر۔ یہ (اللہ کی) کتاب کی آیات ہیں۔''

﴿وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱﴾ ''اور (اے نبیﷺ!) جو چیز آپ پر نازل کی گئی ہے آپ کے رب کی طرف سے وہ حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے (یا ایمان لانے والے نہیں ہیں)۔''

آیت 2 ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ ''اللہ ہی ہے جس نے اٹھایا ہے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھتے ہو''

اس کائنات کے اندر جو بلندیاں ہیں انہیں ستونوں یا کسی طبعی سہارے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے باہمی کشش کا ایک عظیم الشان نظام وضع کیا گیا ہے' جس کے تحت تمام کہکشائیں' ستارے اور سیارے اپنے اپنے مقام پر رہ کر اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ﴾ ''پھر وہ متمکن ہوا عرش پر اور اُس نے (مسلسل) کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو۔''

﴿كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ﴾ ''ہر ایک چل رہا ہے ایک وقت معین کے لیے۔''

یعنی اس کائنات کی ہر چیز متحرک ہے' چل رہی ہے' یہاں پر سکون اور قیام کا کوئی تصور نہیں۔ دوسرا اہم نکتہ جو یہاں بیان ہوا وہ یہ ہے کہ اس کائنات کی ہر شے کی عمر یا مہلت مقرر ہے۔ ہر ستارے' ہر سیارے' ہر نظامِ شمسی اور ہر کہکشاں کی مہلت زندگی مقرر و معین ہے۔

﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲﴾ ''وہ تدبیر فرماتا ہے اپنے امر کی اور تفصیل بیان کرتا ہے اپنی آیات کی' تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔''

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

فکرِ آخرت کی اہمیت

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ كَانَتِ الْاٰخِرَةُ هَمَّهٗ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَجَمَعَ لَهٗ شَمْلَهٗ وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهٗ جَعَلَ اللّٰهُ فَقْرَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهٗ وَلَمْ يَاْتِهٖ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا مَا قُدِّرَ لَهٗ)) (صحیح بخاری)

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے آخرت کی فکر ہو اللہ تعالیٰ اس کا دل غنی کر دیتا ہے اور اس کے بکھرے ہوئے کاموں کو جمع کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل لونڈی بن کر آتی ہے اور جسے دنیا کی فکر ہو اللہ تعالیٰ محتاجی اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اور اس کے مجتمع کاموں کو منتشر کر دیتا ہے اور دنیا میں اسے اتنا ہی ملتا ہے جتنا اس کے لئے مقدر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

نگران سیٹ اپ؟

مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام میں جمہوری طرزِ حکومت کو ایمان کا حصہ سمجھا جاتا ہے اور مغرب امریکہ کی سربراہی میں باقی دنیا کو بالجبر اس طرزِ حکومت کو اپنانے بلکہ اسی طرح ایمان کا حصہ بنانے کے لیے دھونس اور دھاندلی بلکہ جنگ وجدل پر اتر آتا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ انسان ساختہ یہ نظام اور یہ طرزِ حکومت جو درحقیقت انسانوں پر انسانوں کی حاکمیت قائم کرتا ہے اس لحاظ سے بدترین نظام ہے کہ اس میں سرمایہ داروں کا ایک ٹولہ اللہ کی باقی مخلوق یعنی دوسرے انسانوں کا سیاسی اور معاشی استحصال کرتا ہے۔ البتہ اس عیار ٹولے نے اپنے استحصالی نظام کو جمہوری طرزِ حکومت کا خوبصورت اور خوشنما لباس پہنایا ہوا ہے اور اپنے اس دلفریب نعرے Democracy is the government of the people, by the people for people. سے عوام کی اکثریت کو کامیابی سے دھوکہ دے رہا ہے اور جمہوریت کو اپنے استحصالی نظام کی ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

البتہ انصاف اور حق گوئی کا تقاضا ہے کہ ہم اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ مغربی جمہوری طرزِ حکومت اپنی تمام تر خباثتوں اور برائیوں کے باوجود بعض قابل تحسین اوصاف کا حامل ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ باطل محض کبھی اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوسکتا۔ اسے قائم رکھنے کے لیے حق کی آمیزش لازم اور ناگزیر ہوجاتی ہے۔ بہر حال وجہ جو بھی ہے مغربی جمہوریت میں مقننہ، عدلیہ، اور انتظامیہ جیسے مستقل اور مضبوط اداروں کا قیام، مشاورت کا وسیع نظام، حکومتی چناؤ میں سب کے لیے یکساں رائے دہی کا سسٹم، حکومت اور ریاست کی واضح تقسیم، حکومت پر کھلی اور سرعام تنقید کا حق اور پریس کی آزادی جیسے تمام اقدامات کی تحسین نہ کرنا یقیناً بخل سے کام لینے کے مترادف ہوگا۔ اگرچہ سرمایہ دار ٹولہ ان سب اداروں اور میڈیا وغیرہ پر کنٹرول کرنے کی بہت کوشش کرتا ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پھر بھی کچھ نہ کچھ نہیں بلکہ بہت کچھ عوام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ احساس بھی کافی اہم اور سودمند ثابت ہوتا ہے کہ حکومت کو چار یا پانچ سال بعد عوام سے دوبارہ رجوع کرنا ہوگا۔ جمہوریت کے معاملے میں بھی پاکستان کا باوا آدم نرالا ہے۔ کہتے ہیں نقل کے لیے عقل کی ضرورت ہے۔ جمہوریت کا جتنا شور شرابا پاکستان میں ہے، دعوٰی سے کہا جاسکتا ہے کہ دنیا بھر میں کہیں اتنا نہیں ہوگا، لیکن جتنا غیر جمہوری رویہ ہم پاکستانیوں کا ہے وہ شاید ہی کسی اور قوم کا ہو۔ اول تو ہمارے سیاسی لیڈر خود اس کی مٹی پلید کرنے کے لیے کافی ہیں۔ رہی سہی کسر فوجی آمر وقفہ سے وقفہ پوری کر دیتے ہیں۔ عوام بھی رائے دہی کے وقت ذات برادری کے چکر سے باہر نہیں نکل سکے۔ پھر وہ معمولی اور گھٹیا قسم کے مفاد کی خاطر اپنے ضمیر کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ یہاں عدلیہ اور انتظامیہ کی کھلم کھلا جنگ ہوتی ہے۔ انتظامیہ اعلیٰ ترین عدالت کے فیصلوں کو ماننے سے صاف انکار کر دیتی ہے۔ عدلیہ اس کام میں بھی ہاتھ ڈال دیتی ہے جو اس کے کرنے کا نہیں ہوتا۔

یہ شمارہ جب قارئین کے ہاتھوں میں ہوگا تو پاکستان کی جمہوری حکومت تاریخ میں پہلی مرتبہ اپنی آئینی مدت کی تکمیل کر چکی ہوگی اور نگران سیٹ اپ مرکز اور صوبوں کی سطح پر قائم ہو چکا ہوگا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی اس حکومت میں یوسف رضا گیلانی چار سال سے زائد مدت تک وزیر اعظم رہے، البتہ سپریم کورٹ کی طرف سے نااہل قرار پا جانے کے بعد چند ماہ راجا پرویز اشرف وزیر اعظم کے عہدہ پر متمکن رہے۔ پارلیمانی نظام حکومت میں اصولی طور پر وزیر اعظم چیف ایگزیکٹو ہوتا ہے، اور تمام تر اتھارٹی اور اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔ صدر محض آئینی سربراہ ہوتا ہے۔ لیکن گزشتہ پانچ سال میں ہم نے دیکھا کہ دنیوی لحاظ سے جسے ہم قوت اور طاقت کا نام دیتے ہیں اس کا سرچشمہ صدر پاکستان آصف علی زرداری تھے۔ وہ تمام تر سیاسی اور انتظامی فیصلے ایوان صدر سے کرتے رہے۔ وزیر داخلہ کو ان کے لیس مین ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ خارجہ پالیسی بھی وہ خود چلاتے تھے۔ اندرون ملک وہ خود کو مفاہمی سیاست کا علمبردار قرار دیتے تھے۔ اسی مفاہمت کو بروئے کار لاتے ہوئے انہوں

تا خلافت کی بنا، دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

19 تا 25 مارچ 2013ء — جلد 22
6 تا 12 جمادی الاوّل 1434ھ — شمارہ 12

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر: ایوب بیگ مرزا

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36313131
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان

انڈیا -------------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)

ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر "مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

نے دوسری بڑی جماعت جو اپوزیشن کا کردار ادا کرنے کی دعوے دار تھی اس سے اپنے خصوصی تعلقات استوار کیے ہوئے تھے اور اس کی مدد سے آئین میں ترامیم کیں، لیکن بدقسمتی سے ان ترامیم میں دونوں جماعتوں نے ملک اور قوم کی بجائے ذاتی اور جماعتی مفاد کو ترجیح دی۔ گویا اس طرز حکومت کی تمام خباثتیں اور برائیاں ہم نے خوب سمیٹیں ہیں، لیکن اچھائیوں سے مکمل اجتناب کیا ہے۔ ایک آئینی ترمیم یہ کی گئی کہ انتخابات کے لیے ایک نگران سیٹ اپ بنایا جائے گا۔ نگران وزیراعظم اور وزیراعلیٰ قائد ایوان اور قائد حزب اختلاف مل کر بنائیں گے۔ اگر یہ دونوں حضرات تین دن کے معین وقت میں کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکیں تو ایک پارلیمانی کمیٹی جس میں حکومت اور حزب اختلاف کے یکساں ممبران ہوں گے تین دن میں نگران وزیراعظم کا فیصلہ کرے گی اور اگر وہ بھی اتفاق رائے سے ایسا نہ کر سکے تو الیکشن کمیشن کو یہ اختیار دے دیا جائے گا اور الیکشن کمیشن دو دن کے اندر کسی شخصیت کو نگران وزیراعظم مقرر کر دے گا۔ اب تک کی صورت حال یہ ہے کہ اپوزیشن نے تین نام وزیراعظم کو پیش کیے ہیں: (1) جسٹس (ر) ناصر اسلم زاہد (2) جسٹس (ر) شاکر اللہ جان (3) رسول بخش پلیجو۔ حکومت نے (1) جسٹس (ر) میر ہزار خان کھوسو (2) عبدالحفیظ شیخ (3) ڈاکٹر عشرت حسین کے نام تجویز کیے ہیں۔ ہماری رائے میں قرعۂ فال عبدالحفیظ شیخ کے نام نکلے گا۔ اس لیے کہ ان میں وہ تمام اوصاف موجود ہیں جو کسی وزیراعظم کے لیے امریکہ کو مطلوب ہیں۔ مثلاً وہ ورلڈ بینک میں ملازم رہ چکے ہیں۔ P.P.P کی حکومت میں پاکستان کے وزیر خزانہ کی حیثیت سے امریکہ کی کافی خدمت سرانجام دے چکے ہیں۔ ان کے دور میں جو پاکستان میں شرح ترقی 3 فی صد کے کم ترین ہدف کو چھو چکی ہے۔ امریکہ کی خدمت کے حوالہ سے یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ شوکت عزیز پاکستان کے سابقہ وزیر خزانہ اور وزیراعظم تھے، جنہوں نے پاکستان کی دولت کو خوب لوٹا اور لٹایا تھا اور ان کے امریکی انتظامیہ سے تعلقات بڑے گہرے اور پرجوش تھے اور آج کل اس دولت کے بل بوتے پر امریکہ اور یورپ میں گلچھرے اڑا رہے ہیں، وہ شیخ صاحب کے جگری دوست ہیں۔ ان کے دامن پر بھی کرپشن کے بہت سے داغ ہیں۔ بہرحال چونکہ آسمانِ امریکہ سے نازل ہوں گے لہٰذا پاکستانیوں کو بلا چون و چرا تسلیم کرنا ہو گا۔ ہماری دعا ہے کہ پاکستانی شیخ صاحب کی قیادت سے محفوظ رہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ریٹائرڈ جج اُن سے یقیناً بہتر ثابت ہوں گے۔

آخری بات یہ ہے کہ آئین کی دفعات 62، 63 جو اسمبلی کے رکن کے کردار سے بحث کرتی ہیں ان کے نفاذ کے حوالہ سے دونوں بڑی جماعتیں الیکشن کمیشن کے خلاف مکمل طور پر متحد ہو چکی ہیں۔ اگرچہ اسلم رئیسانی کی اس بات کا مذاق اڑایا جاتا ہے کہ ڈگری ڈگری ہوتی ہے اصلی ہو یا جعلی لیکن حقیقت میں پاکستان کی دونوں بڑی جماعتیں عملاً اس بات پر یقین رکھتی ہیں کہ اسمبلی ممبر ممبر ہوتا ہے چاہے کرپٹ ہو یا دیانت دار، اس کے محاسبے کا کسی کو کوئی حق نہیں۔ ہماری پختہ رائے ہے کہ موجودہ نظام کے تحت پاکستان میں صاف ستھری قیادت کا ابھرنا خوابوں کی دنیا میں رہنے والی بات ہے۔ نظریہ پاکستان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے اسلامی انقلاب لازم ہے، ناگزیر ہے۔ لیکن پہلے قوم کو ایسے پاکیزہ انقلاب کے بنیادی تقاضے پورے کرنے ہوں گے۔

بیابہ مجلس اسرار

مکافات کا قانون الٰہی

سورہ الشعراء کی آیت 20 میں ارشاد الٰہی ہے: ''تم میں سے جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے' اُس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں' اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے' اسے ہم دنیا ہی میں دے دیتے ہیں' مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے''۔

یہ بڑا پیارا اور اٹل قانون ہے جو اختصار کے ساتھ یہاں بیان ہوا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کے دوسرے رکوع میں اس موضوع کا نقطۂ عروج بیان ہوا ہے۔ ہر مضمون قرآن مجید میں کہیں نہ کہیں اپنی آخری شان میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ﴾ ''جو کوئی طالب ہو آخرت کی کھیتی کا۔'' اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ فیصلہ کیجئے کہ آپ آخرت کے طالب ہیں یا دنیا کے؟ آپ کا مقصود و مطلوب آخرت ہے یا دنیا؟ عقبیٰ چاہئے یا دنیا چاہئے؟ فیصلہ کیجئے! شعوری طور پر فیصلہ ہو' پھر اس پر ڈٹ جایئے۔ یہ نہ ہو کہ دنیا ذرا ہاتھ سے جاتی دکھائی دی تو دل پژمردہ ہو گیا اور طبیعت مضمحل ہو گئی۔ اگر تم فیصلہ کر چکے ہو کہ تمہاری مراد آخرت ہے تو اگر دنیا میں کمی آ رہی ہے تو تمہیں کوئی پریشانی اور پشیمانی نہیں ہونی چاہئے۔ آدمی طے کرے کہ اوّلیت کس شے کو حاصل ہے' مقدم کیا ہے' مؤخر کیا ہے۔ یہ فیصلہ کرے پھر اس پر جم جائے' مستقیم ہو جائے۔ اسی فیصلے کو ارادہ کہا گیا ہے۔ اسی لفظ سے لفظ ''مُرید'' بنتا ہے۔ اَرَادَ' يُرِيْدُ' اِرَادَةً اور اس سے اسم فاعل مرید' ارادہ کرنے والا''۔ اب یا تو کوئی مرید ہے آخرت کا یا کوئی مرید ہے دنیا کا۔ فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ﴾ ''جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طلب گار ہے تو اس کی کھیتی میں ہم برکت دیتے رہتے ہیں۔'' اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں جو نیک اعمال انسان آگے بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں پروان چڑھاتا ہے' پالتا ہے' پوستا ہے' ترقی دیتا ہے۔ ﴿وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا﴾ ''اور جو کوئی طالب بن جاتا ہے دنیا کی کھیتی کا'' جس کا مقصود و مطلوب دنیا بن گئی ﴿نُؤْتِهٖ مِنْهَا﴾ ''ہم اسے دے دیتے ہیں اس میں سے۔'' ہم یہ نہیں کرتے کہ جو بہرحال دنیا ہی کا طالب بن گیا ہے' جس کی مراد دنیا ہی ہو گئی ہے' اسے ہم دنیا سے بھی محروم کر دیں۔ لہٰذا دنیا میں اسے ہم کچھ دے دلا دیتے ہیں۔ ﴿وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝﴾ ''پھر ایسے شخص کے لئے آخرت میں کچھ حصّہ نہیں ہے۔'' تم یہ چاہو کہ یہ بھی ملے اور وہ بھی ملے' دو دو اور وہ بھی چپڑی' یہ مشکل ہے۔ طے کرو کہ کیا اصل مطلوب و مقصود اور مراد ہے! آخرت کے طلب گار ہو تو آخرت کی کھیتی میں برکتیں ہی برکتیں ہیں' بڑھوتری ہی بڑھوتری ہے' لیکن اگر تم طالب دنیا بن گئے ہو تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں سے تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور دے دے گا لیکن آخرت میں تمہارا کوئی حصّہ نہیں ہے۔

(ماخذ: ''توحید عملی'' از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

دین حق کا اصل تقاضا

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی کے خصوصی مشیر برائے تربیتی امور جناب رحمت اللہ بٹر کے 8 مارچ 2013ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

(حمد و ثنا اور تلاوت آیات کے بعد فرمایا:) اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ﴾ (الحدید:25)

''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا، اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔''

یہ دو چیزیں ہیں جو اللہ ہر رسول کو دے کر بھیجتا رہا ہے یعنی ایک کتاب جو بیان کرتی ہے کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے۔ یہ کس نے پیدا کی ہے؟ کون اس کا نظام چلا رہا ہے؟ اس کا مالک و موجد کون ہے؟ کون ہے جس کی حکمرانی پوری کائنات پر ہے؟ کون ہے جو آج بھی اس کائنات کا حاکم ہے، اور کائنات کے خاتمے کے بعد بھی اسی کی حکمرانی ہوگی۔ ایک دن اس کے سامنے پیشی ہوگی۔ یہ حقائق قرآن مجید بیان کرتا ہے اور یہ ہمارے ایمانیات پر مشتمل ہیں۔ ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے میزان بھی نازل کی ہے۔ یہ میزان عدل کی نشانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رسول کو ترازو بھی دے کر بھیجتا رہا ہے کہ اسے بھی نصب کرو یعنی لوگوں کے درمیان عدل کا نظام قائم کرو، اللہ نے کتابیں صرف پڑھنے پڑھانے کے لئے نہیں بھیجیں کہ محض پڑھتے رہو اور اُن کے اوامر ونواہی کو ملحوظ نہ رکھو۔ بلکہ اس کے اصولوں پر مبنی اجتماعی نظام قائم کرو، تاکہ ہر شخص کو اس کا حق مل سکے۔ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے۔ اور انسانوں کو راہ بندگی پر چلنے میں رکاوٹ نہ ہو۔ اگر نظام غلط ہو تو انسان پوری زندگی میں بندگی کر ہی نہیں سکتا۔ آج ہم اللہ کی بندگی کا حق ادا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اِس لئے کہ پورا نظامِ معیشت سود اور سٹہ پر چل رہا ہے۔ پورا عدلیہ کا نظام ابھی تک وہی ہے جو انگریز دے کر گیا ہے۔ غیر اللہ کا قانون ہوتے ہوئے آپ اللہ کی بندگی کیسے کریں گے۔ آج انسان خود حاکم بنا بیٹھا ہے، اللہ تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم کرنے کی بجائے سارا اختیار خود لیا ہوا ہے۔ آج پارلیمنٹ سپریم ہے۔ جو جی چاہے قانون بنا دے۔ ارکان اسمبلی نہیں دیکھتے کہ اللہ کی شریعت کیا کہہ رہی ہے۔ آپ کو معلوم ہے آپ کی پارلیمنٹ نے حقوق نسواں کا بل پاس کیا تھا۔ سارے علماء نے کہا کہ یہ شریعت محمدیؐ کے خلاف ہے۔ لیکن یہ بل پھر بھی پاس ہو گیا اور آج نافذ ہے۔ آج کل حکمران موت کی سزا کو معطل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کچھ عرصہ سے کسی کو موت کی سزا نہیں ہو رہی۔ کہا جاتا ہے (نعوذ باللہ) یہ سزائیں وحشیانہ ہیں۔ اللہ کہتا ہے کہ جان کے بدلے میں جان ہے۔ اللہ نے یہ نظام دیا اور ہم نعوذ باللہ وحشیانہ سزائیں کہتے ہیں اور انہیں ساقط کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جان لیجئے کہ اللہ کے رسول نظام بھی لے کر آئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب پر اللہ کی حاکمیت اعلیٰ پر مبنی نظام قائم فرما دیا۔ اب تکمیل رسالت اور اتمام نعمت کا یہ تقاضا ہے کہ جن کے پاس یہ پیغام پہنچ جائے، وہ اس پر خود بھی عمل کریں اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی ادا کریں۔ اب یہ کام اُمت کے ذمے لگایا گیا ہے کہ اس قرآن کو نہ صرف پڑھو اور پڑھاؤ بلکہ اسے قائم بھی کرو۔ خود قرآن کہتا ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَمِیْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۟﴾ (المائدہ:7)

''اور اللہ نے جو تم پر احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو اور اس عہد کو بھی جس کا تم سے قول لیا تھا (یعنی) جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے (اللہ کا حکم) سن لیا اور قبول کیا۔''

اللہ نے تم پر فضل کیا ہے کہ تمہیں اسلام جیسی دولت عطا کی ہے۔ تمہیں اپنے کلام سے نوازا ہے۔ تمہارا اب اس سے ایک عہد ہو گیا۔ اب اس کا تقاضا پورا کرو۔ وہ کیا ہے؟ اس کا ذکر اگلی آیت میں آیا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫﴾

''اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔''

اس گواہی کا تقاضا یہ ہے کہ دین کو قائم کرو جس طرح اللہ کے رسولؐ قائم کر کے دے گئے ہیں۔ کیونکہ یہی دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے پسند کر لیا۔ اس کو سارے ادیان پر غالب ہونا چاہیے۔ جو نہیں مانتے، نہ مانیں لیکن اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون، اللہ کی شریعت نافذ ہونی چاہیے۔ اِسی کام کے لئے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو بھیجا۔ آپؐ کے مقصد بعثت کا تذکرہ قرآن میں یوں آیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ﴾ (الفتح:28)

''وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبرؐ کو ہدایت (کی کتاب) اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر (یا پورے نظام زندگی) پر غالب کرے۔''

جب پہلی قوموں نے رسولوں کے پیغام کو نہیں مانا تو ان پر عذاب استیصال آیا اور قوم کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد چونکہ اس دین کو قائم رکھنے کی ذمہ داری امت پر تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے دین کے غلبے کا کام معجزے سے نہیں کروایا بلکہ نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے ماننے والوں سے انسانی سطح پر ساری محنت کروا کے دین غالب کیا گیا، تاکہ بعد والوں کے لئے نمونہ بن سکے کہ کسی طرح اللہ کا دین قائم رکھنا ہے اور اگر قائم نہیں تو کس طرح قائم کرنا ہے۔

دین کے قائم کرنے کے لئے آپؐ نے جو نمونہ دیا ہے اس کے مطابق آپؐ نے 13 سال تک مکے والوں کو دعوت دی کہ یہ سرداریاں چھوڑ کر اللہ کی حکمرانی کے تحت آ جاؤ، اللہ کی شریعت پر عمل پیرا ہو جاؤ، اس کے تحت اپنی زندگی گزارو۔ جب وہ لوگ نہ مانے تو اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور آپؐ کے ماننے والوں کو ہجرت

کروائی۔ جس طرح پہلے اللہ کے رسول ہجرت کرتے رہے۔ لیکن یہاں پہلی قوموں کی طرح مشرکین پر عذاب نہیں بھیجا۔ کیوں کہ اگر اللہ تعالیٰ یہاں بھی عذاب بھیج کر اپنا دین غالب کر دیتا تو ہمارے لئے کوئی نمونہ نہ رہتا کہ اللہ کا دین کیسے قائم کرنا ہے؟ اس کو نافذ کرنے کی محنت کیسے کرنی ہے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپؐ کے ماننے والوں سے جدوجہد کروائی۔ ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں آ کر آپؐ نے مختلف مہمات بھیج کر باطل کو میدان میں کھینچا، اور باطل کے ساتھ ٹکراؤ ہوا۔ دراصل دین یا نظامِ زندگی وہ ہوتا ہے جو رائج ہو۔ اس وقت عرب پر جو نظامِ زندگی رائج تھا وہ قریش کا تھا۔ انہیں لوگ دینی راہنما مانتے تھے۔ قیادت ان کے ہاتھوں میں تھی۔ اس لئے ان کے ساتھ تصادم ہوا ہے، اور ان کو زیر کر کے پہلے سے رائج ''دین'' کو ختم کر کے اللہ کا دین قائم کیا گیا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مدینہ کے آس پاس کئی قبیلے بستے تھے۔ آپؐ نے کسی قبیلے کے خلاف اقدام نہیں کیا بلکہ ان سے جا کر معاہدے کیے کہ دیکھو ہمارا اور قریش کا مقابلہ ہے۔ تم اگر قریش کے حلیف ہو تو ہم مدینہ میں تمہارے قریب ہیں۔ تمہیں ہمارا حلیف بننا چاہیے۔ نہیں تو کم از کم تم غیر جانبدار ہو جاؤ۔ نہ ان کا ساتھ دو نہ ہمارا۔ یہ معاہدے اس لئے کیے گئے تا کہ جب کفار مکہ سے لڑائی ہو رہی ہو تو پیچھے سے کوئی حملہ نہ کر دے۔ لیکن رخ کیا ہے؟ مکہ والوں سے تصادم، اس لئے کہ ان کا ''دین'' پورے عرب پر رائج تھا۔ اور یہ امر افراد اور قبائل کے فوج در فوج قبول اسلام میں رکاوٹ تھا۔ جب وہ مغلوب ہو گئے، فتح مکہ ہو گیا تو پھر جزیرۃ العرب میں کسی سے لڑنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ جب پتہ چل گیا کہ پہلا دین جاتا رہا ہے اور دوسرا آ گیا ہے تو لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔

آج بھی ہمارے لئے یہی نمونہ ہے۔ پہلے رسولوں میں تو کوئی ایسا نمونہ ہے ہی نہیں، وہاں پر اللہ تعالیٰ نے جب بھی کیا پوری پوری قوموں کو تباہ کر کے دین غالب کیا ہے۔ جبکہ یہاں پوری محنت انسانی سطح پر کروائی۔ اس جدوجہد میں غلبہ دین کے لئے آپ کو کوئی معجزہ نظر نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ اب کوئی رسول نہیں آنا۔ اب اس اُمت کی ذمہ داری ہے کہ اللہ کی گواہ بن کر اس دین کو پوری زمین پر نافذ کرے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ: اللہ نے تمہیں چن لیا ہے۔ یہ چناؤ کس لئے ہوا ہے؟

﴿ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ (الحج:78)

''تا کہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد ہو۔''

یہ ہے وہ ذمہ داری جو اس اُمت پر لگائی گئی۔ یہ ایک شخص کے کرنے کا کام نہیں۔ ایک شخص صرف اپنی قوم کو دعوت دے سکتا ہے، کیونکہ وہ ان کی زبان بولتا ہے۔ انہی میں رہتا ہے۔ انہی میں اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے۔ دوسری قوم تک پیغام پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی زبان میں پیغام پہنچایا جائے تو حق ادا ہو گا ورنہ نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ ساری زبانیں سیکھے، لوگوں کو قائل کرے اور پھر اللہ کا دین غالب کیا جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُمت کو یہ ذمہ داری دی ہے۔ اب اجتماعی طور پر یہ کام مل جل کر کرنا ہو گا۔ پہلے لوگوں کو دعوت دیں کہ آؤ اسلام قبول کرو، نہیں تو پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب اس امت کے ذمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے عدل وقسط کے گواہ بن کر زندگی گزارے۔ جب تک اُمت نے یہ فریضہ ادا کیا، اللہ کا دین غالب رہا ہے اور لوگ اس کے تحت زندگی گزارتے رہے ہیں۔ لیکن تین صدیاں ہو گئی ہیں کہ دین اِسلام مغلوب ہے۔ اب کہیں بھی اس کا غلبہ نہیں ہے۔ آج ہم نظام طاغوت کے تحت زندگی گزار رہے ہیں، اور اپنے دین کو ہم نے مروجہ معنوں میں مذہب بنایا ہوا ہے۔ قرآن مجید دوسروں کو عقیدہ کی آزادی دیتا ہے یعنی وہ عقیدہ جو جی چاہے رکھیں، اپنی عبادات جیسے جی چاہے کریں، اپنی رسومات جیسے جی چاہے ادا کریں، لیکن قانون اللہ کا ہو گا، اسی قانون کے تحت زندگی گزارنا ہو گی۔ اسی کے لئے صحابہؓ نکلے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو اس وقت کی دنیا پر غالب کیا۔ کسی سے زبردستی نہیں منوایا۔ انفرادی زندگی میں کسی پر کوئی جبر نہیں کیا گیا۔ البتہ یہ واضح کر دیا کہ تمہیں اس دین کے تحت زندگی گزارنا ہو گی۔

قرآن مجید میں امت کو یہی حکم دیا گیا ہے:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ ﴾ (التوبہ:29)

''جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روزِ آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ نے حرام کی ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں، ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کا دین لے کر آئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کا دین لے کر آئے تھے۔ اب ان ادیان کا دور ختم ہو گیا۔ اب صرف دین اسلام ہے جو اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کے لئے چُن لیا ہے۔ اب یہی دین غالب ہونا چاہیے۔ ہاں، جن کو ہم نے کتابیں دی ہیں، اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو ان کے لئے ضابطہ یہ ہو گا کہ وہ اپنے عقیدہ میں آزاد ہیں۔ اپنی عبادات جیسے چاہیں کریں، اپنی رسومات جیسے چاہیں ادا کریں، لیکن قانون اللہ کا ہو گا۔ انہیں جزیہ دے کر، چھوٹے ہو کر، اس دین کے تابع ہو کر رہنا ہو گا۔ آج وہ دین قرآن وسنت کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے لیکن ہم نے اسے صرف پڑھنے پڑھانے کے لئے رکھا ہے۔ اس کو قائم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ نہ خود اس پر عمل پیرا ہونے اور نہ اسے دنیا تک پہنچانے ہی کو تیار ہیں۔ دنیا اپنے نظریات ہمیں پہنچا رہی ہے لیکن ہم نے اپنے دینی نظریات دنیا تک پہنچانے کا کوئی بندوبست نہیں کیا۔ جب ہم خود عمل نہیں کریں گے تو کسی کو دعوت کیا دیں گے۔ اگر کسی کو ہم دعوت دیں گے کہ اسلام لے آؤ تو وہ کہے گا کون سا اسلام؟ پھر ہم کہاں دکھا سکیں گے کہ یہ اسلام ہے، اس کو تم قبول کر لو۔ صحابہ کرامؓ نے دین کو قائم کیا تھا، اس لئے وہ دنیا سے کہتے تھے، آؤ بھائی اسلام قبول کرو، یہ نمونہ موجود ہے۔ اب اس کو نہ ماننے کا کسی کے پاس کوئی جواز نہیں تھا، اگر نہیں مانتے تو پھر میدان میں آؤ۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ دین کبھی محض وعظ سے غالب نہیں ہو گا۔ دین قوت سے غالب ہو گا۔ کیونکہ جن کے مفادات ہوتے ہیں، وہ یونہی اپنا ''دین'' اپنی سرداریاں نہیں چھوڑتے۔ اگر وعظ سے یہ کام ہو سکتا تو نبی اکرم ﷺ سے بڑا واعظ کون ہو سکتا ہے؟ آپؐ کو بھی تلوار اٹھا کر باطل کے ساتھ ٹکرانا پڑا ہے۔ باطل کو مغلوب کر کے ہی اللہ کا دین غالب ہوا ہے۔ آج بھی ویسے ہی ہو گا۔ جب تک کہ ہم نہیں اٹھیں گے، ایک قوت نہیں بنیں گے، دین غالب نہیں ہو گا۔ اس کے لئے ہمیں ایک نظم کے تحت اپنی زندگی گزارنا ہو گی اور قوت بن کر باطل کے ساتھ ٹکرانے کے لئے تیار ہونا ہو گا۔ جب تک دین غالب نہیں ہوتا، اس وقت دین کا تقاضا ہے کہ ہم اجتماعی زندگی اختیار کریں، کسی نظم میں آئیں اور باطل کے ساتھ ٹکرا کر اپنی جانوں کی قربانی دے کر اس دین کو غالب کرنے کی تیاری کریں۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہمیں ہمت دے۔

آمین یارب العالمین [مرتب: فرقان دانش]

سانحہ عباس ٹاؤن

شیعہ اور سنی دونوں دہشت گردی کا شکار ہوئے

میڈیا نے دہشت گردی کو فرقہ وارانہ رنگ دے کرانتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے

سانحہ عباس ٹاؤن میں ہونے والے انسانی جانوں کے ضیاع کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے، لیکن الیکٹرانک میڈیا نے اس دہشت گردی کو فرقہ وارانہ رنگ دے کرانتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہی۔ اُنہوں نے کہا کہ بعد کی اطلاعات کے مطابق اہل تشیع اور اہل سنت دونوں اس دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ شیعہ یا سنی ہونا تو دوسری بات ہے اسلام تو کسی غیر مسلم کو بھی بلا عذر شرعی ہلاک کرنے سے سختی سے منع کرتا ہے۔ اُنہوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ الیکٹرانک میڈیا اس دہشت گردی کو فرقہ وارانہ رنگ دے کر اسلام دشمنوں اور پاکستان کو غیر مستحکم کرنے والوں کے ایجنڈے کو آگے بڑھا رہا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ دہشت گردی کی پے درپے وارداتوں سے شہری شہید ہو رہے ہیں۔ شہریوں میں عدم تحفظ کا احساس روز افزوں ہے، لیکن حکومت ٹس سے مس نہیں ہو رہی۔ گزشتہ پانچ سال میں ہزاروں بے گناہ اور معصوم شہری دہشت گردی کا شکار ہو چکے ہیں، لیکن کسی مجرم کو قرار واقعی سزا نہیں ملی، جس سے دہشت گردوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں۔ انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ نئی حکومت دہشت گردی کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔

پریس ریلیز 11 مارچ 2013ء

کسی غیر مسلم کے انفرادی جرم کی پاداش میں غیر مسلموں کی بستی جلا دینا غیر اسلامی فعل ہے

ماضی میں توہین رسالت کے مجرموں کو اگر قرار واقعی سزا ملی ہوتی تو عوام اس طرح کے ردعمل کا کبھی اظہار نہ کرتے

قانون کو ہاتھ میں لینے والوں کا راستہ صرف اسی طرح روکا جاسکتا ہے کہ شاتم رسول کو فوری اور کڑی سزا دی جائے

کسی غیر مسلم کے انفرادی جرم کی پاداش میں غیر مسلموں کی بستی جلا دینا غیر اسلامی فعل ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے سانحہ بادامی باغ لاہور کی مذمت کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ جن لوگوں نے یہ مذموم حرکت کی ہے انہوں نے درحقیقت اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ طرز عمل نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کسی ایک فرد کے غلط اور ناجائز کام کی سزا اس کے ہم نسل یا ہم مذہب دوسرے افراد کو بھی دی جائے۔ انہوں نے پنجاب حکومت پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس واقعہ کے رپورٹ ہونے کے فوری بعد اس علاقہ کی حفاظت کے فوری انتظامات ہونے چاہئیں تھے۔ حکومت کی یہ غفلت ملک اور قوم کی بدنامی کا باعث بنی۔ انہوں نے عدالتی نظام پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ماضی میں توہین رسالت کے مجرموں کو اگر قرار واقعی سزا ملی ہوتی تو عوام اس طرح کے ردعمل کا کبھی اظہار نہ کرتے۔ انہوں نے کہا کہ جو سیکولر عناصر ایسے سانحات کی آڑ میں آئین کی دفعہ 295/C کی تنسیخ کا مطالبہ کرتے ہیں انہیں غور کرنا چاہیے کہ اس شق کی موجودگی میں بعض اوقات عوامی ردعمل اتنا خوفناک ہوتا ہے۔ اگر آئین و قانون میں شاتم رسول کو سزا دینے کی کوئی دفعہ موجود نہ ہوگی تو اس طرح کے واقعات میں کس قدر اضافہ ہو جائے گا اور لوگوں کو قانون ہاتھ میں لینے کا موقع مل جائے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عوام کو یقین دلایا جائے اور ان کا اعتماد حاصل کیا جائے کہ کوئی شاتم رسول سزا سے نہیں بچ سکے گا۔ قانون کو ہاتھ میں لینے والوں کا راستہ صرف اسی طرح روکا جاسکتا ہے کہ شاتم رسول کو فوری اور کڑی سزا دی جائے۔

پریس ریلیز 15 مارچ 2013ء

غیر مسلموں کی جان، مال اور عزت کا تحفظ ایک اسلامی فلاحی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے

اسلام میں صرف حربی کافر کو قتل کرنے کی اجازت بلکہ حکم ہے

پاکستان اگر اسلامی فلاحی ریاست بن چکا ہوتا تو سانحہ بادامی باغ کبھی پیش نہ آتا۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ ایسا اندھا جذبہ جو اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات کے صریحاً خلاف کارفرما ہو کسی صورت قابل قبول نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ غیر مسلموں کی جان، مال اور عزت کا تحفظ ایک اسلامی فلاحی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اسلام میں صرف حربی کافر (وہ کافر جو میدان جنگ میں مدمقابل ہو) کو قتل کرنے کی اجازت بلکہ حکم ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ حکومت کی نااہلی اور غفلت بھی اس سانحہ کے وقوع پذیر ہونے کا سبب بنی۔ اگر خطرہ محسوس کرتے ہوئے مسیحی آبادی کا انخلا کرایا گیا تھا تو اُن کے مکانات کی حفاظت کے لئے کیوں مناسب انتظام نہ کیا گیا۔ امیر تنظیم اسلامی کہا کہ اس رائے کو بھی مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ دشمن ممالک کی جو خفیہ ایجنسیاں پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں وہ بھی اس دہشت گردی میں ملوث ہیں۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

پرواز میں کوتاہی

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

71ء کے بعد کراچی پر جاری حملوں کا سلسلہ پاکستان کے وجود پر حملہ ہے۔ ہزارہ ٹاؤن تا کراچی یہ ایک ہی سازش کی کڑیاں ہیں جسے فرقہ واریت کا رنگ دے کر آنکھوں میں دھول جھونکنا ممکن نہیں۔ کراچی چھوٹا پاکستان ہے۔ بلکہ بنگالیوں کی بھی بڑی آبادی متحدہ پاکستان کی خوبو لئے ہوئے ہے۔ ہر رنگ، ہر نسل کا پاکستانی، اخوت میں گندھا وہ روشنیوں کا شہر جسے بڑی محنت سے عصبیتوں کی آگ میں جھونکا گیا۔ وہ غریب پرور، ملک کی اقتصادی شہ رگ، صنعت اور مالیاتی اداروں کا مرکز، واحد بندرگاہ، دینی شناخت کا حامل چھوٹا پاکستان جو آبادی کے اعتبار سے یورپی ممالک اور دنیا کے کئی ملکوں سے بڑا ہے۔ کیا پاکستان کی یہ شہ رگ یوں یرغمال بنی رہے اور سارا ملک اور اس کے ادارے محض تماش بین ہوں؟ آدھے گھنٹے کے اندر اچانک مسلح افراد سڑکوں پر نکل کر پورے شہر کو معطل کر دیں اور میڈیا پر دو لفظ ابھریں۔ کراچی بند، اور پھر اسی طرز پر کھل جا سم سم پر زندگی کو پھر رواں ہونے کا اذن مل جائے۔ جاگیرداری سے چھٹکارے اور عوام کے اقتدار کے نام پر یہ کیا منظر ہے کہ شہری ''وڈیرے'' کا حکم کراچی تا اندرون سندھ شہر مفلوج کر دے۔ افغانستان سے امریکہ نکلتے ہوئے انخلا براستہ پاکستان کر رہا ہے۔

یہ ہمیں روندتے ہوئے نکلنے کے عزائم رکھتا ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ اسی طرز پر کوئی امریکی یا برطانوی شہری اسلام آباد میں اپنی راجدھانی بنا کر بیٹھ جائے۔ یہاں سے لندن، واشنگٹن خطاب فرمائے۔ ان شہروں پر اپنے حکم جاری کرے۔ پاکستان کی بربادی کی محفوظ پناہ گاہیں لندن، امریکہ، جنیوا، ساؤتھ افریقہ، جرمنی میں پائی جاتی ہیں۔ غریب عوام کا خون نچوڑ کر سارا مال ان کے بینکوں کی شان بڑھاتا ہے۔ لندن رائل سوسائٹی کے 24 فروری کے سیمینار میں امریکی کانگریس میں ڈانا بیکر نے بلوچستان کی علیحدگی کے لئے حق خود ارادیت کا پرزور مطالبہ کیا ہے۔ ان کی عطا کردہ شہریتوں اور پناہ گاہوں میں ملک توڑنے کی ساری سازشیں پنپتی ہیں۔ مذہبی واویلوں میں جرمنی، کینیڈا، برطانیہ میں مقیم قادیانی گرد اٹھاتے ہیں۔ قبل ازیں مشرقی تیمور یے آسٹریلیا بیٹھ کر اسی طرح انڈونیشیا کو توڑنے کا سامان کر چکے۔ مسلمان یہی چرکے جنوبی سوڈان میں اٹھا چکے۔ اب شہر محمد علی جناحؒ کی باری ہے، جسے اتحاد، تنظیم، یقین محکم (جس کی بنیاد ایمان و اسلام ہے) ہی بچا سکتا ہے۔ جھوٹ کے پول کھولنا، چہروں کو بے نقاب کرنا اور مضبوط آہنی عزم سے اس سازش کا مقابلہ کرنا میڈیا، عدلیہ، مقتدر اداروں اور عوام کا فرضِ اوّلین ہے۔ بنگلہ دیش کی اسلامی شناخت پر حملہ بھی خطے سے پاکستانی اثر ورسوخ کا صفایا پھیرنے اور نظریاتی عنصر جو ہمک ہمک کر مابین فاصلے ختم کرتا ہے، اسے نوچ پھینکنے کی سازش ہے۔ ہماری خارجہ، داخلہ ناکامیوں کے یہ دو پرتو ہیں۔ بنگالی علیحدگی کے بعد بھی ہمارے بھائی تھے۔ کرکٹ میچوں میں، تبلیغی اجتماعوں میں، جماعت اسلامی کی صورت یہ محبتیں مٹائے نہیں مٹ رہی تھیں۔ بھارت کے ساتھ مل کر اسے کچلنے کی روا اس وقت بنگلہ دیش میں ظلم و بربریت کی داستانیں رقم کر رہی ہے۔ اور جس پاکستان کی مدد کے الزام میں انہیں تختۂ دار پر لٹکانے کے ارادے ہیں وہ خود اپنے درپے ہے، ان کی طرف دیکھنے کا بھی روادار نہیں۔

سانحۂ کراچی کو قدم بہ قدم دیکھئے تو کہانی شفاف اور واضح قاتلوں کے گھر تک پہنچتی ہے مگر پولیس کے تجاہل عارفانہ یا بزدلانہ کا کیا علاج! دھماکے ہوئے (جن کی پیشین گوئی عبدالرحمٰن ملک کر چکے تھے) فرانزک ٹیم کو مسلح افراد نے (غم وغصہ اور اشتعال کے پردے میں) جائے وقوعہ کے قریب نہ آنے دیا، اس دوران اہم شواہد مٹا دیئے گئے۔ بارودی مواد مقامی تھا، نہ قریبی ممالک میں استعمال ہونے والا۔ متاثرہ آبادی میں سنی شیعہ تناسب ففٹی ففٹی تھا۔ لیکن فرقہ واریت کا رنگ فوری ابھارا، نشر کیا گیا اور اصل خبر آنے میں دو دن لگے جب فرقہ وارانہ تاثر بٹھایا جا چکا تھا۔ اسی دوران سنی علماء کے قتل میں ملوث سیاسی جماعت سے وابستہ ہدفی قاتلوں کے پکڑے جانے کی خبر شائع ہوئی۔ حکمران طبقہ حقیقی دادرسی کی بجائے مگرمچھ کے آنسو بہاتا چور مچائے شور کے زوردار واویلے میں پیش پیش رہا۔ آئی جی سندھ نے حقانی گروپ ملوث ہے، کہہ کر امریکہ کا دل ٹھنڈا کیا۔ کل تک حقانی گروپ کابل میں تھا اب وہ کراچی پہنچ گیا؟ (اگرچہ کراچی کا علاج شاہد اسی میں مضمر ہے کہ کوئی بہادر سرفروش گروہ کراچی کو قاتلوں، بھتہ خوروں سے نجات دلائے!) پاکستان کو باضمیر، باکردار بہادر افراد کی ضرورت ہے جس کی مثال اس تفصیل میں ہے: کراچی ائیرپورٹ والی خبر اٹھی اور پھر خاموش ہو رہی۔ بظاہر کراچی ائیرپورٹ پر منشیات کی سمگلنگ اور ترسیل روکنے کے نام پر امریکی کارگزاری اصلاً دیگر امریکی مقاصد اور سرگرمیوں کا کور ہے۔ طالبان دور میں پیٹ پر پتھر باندھ کر (معاشی پابندیوں کے دور میں) پوست کی کاشت ختم کرنے والے افغانستان میں امریکہ ڈٹ کر یہ کاروبار چلا رہا ہے۔ امریکی جنگی اخراجات کا نصف ہیروئن پر مبنی ہے۔ لہٰذا بظاہر منشیات کنٹرول کرنے کے نام پر یہ اڈہ کتنا مخلص ہے وہ اس پُرعزم پاکستانی کسٹم افسر (ایریزر) کے حشر سے واضح ہے۔ جب اس نے منشیات کی بڑی کھیپ پکڑی تو زبان بند رکھنے کے لئے شدید دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ باز نہ آیا تو اسے کروڑوں روپے کی پیش کش ہوئی کہ ریکارڈ پر نہ لائے۔ اس پر بھی انکار پر امریکہ کے زیرعتاب آیا کہ یہ انتہا پسند، مذہبی اور امریکہ مخالف ہے۔ (خوف اور لالچ وہیں رنگ نہیں جماتا، جہاں جنت کا عظیم تر لالچ یا جہنم کا مہیب تر خوف جان کا لاگو ہو!) امریکہ کی تشخیص درست ہے۔ اس فرد کو تلاش کیجئے۔ پاکستان کی درستی کے لئے یہی اوصاف درکار ہیں۔ خبر یہ بھی تھی کہ کولیشن سپورٹ فنڈ کے 68 کروڑ 80 لاکھ جاری کر دیئے گئے۔ پاکستان کے رگ و پے میں خون بن کر گردش کرنے والے ان ڈالروں ہی کا سارا فساد ہے۔ یہ ڈالر خون مسلم میں نہائے ہوئے ہیں۔ ہیروئن انڈسٹری، دنیا بھر میں

اشاعت فحش (Pornography) کی صنعت، اسلحے کی صنعت اور اس کی خاطر بھڑکائی جنگوں کے لقمۂ تر معصوم جانوں کا خون، جنسی تباہ کاری (Sex Industry) حتیٰ کہ معصوم بچوں کو سیاہ کاروبار میں ملوث کر کے بنائی گئی معیشت کا حاصل ہے یہ ڈالر۔ یہ ہمیں عطا ہوتا ہے قبائل میں استعمال کئے تو پخانے، فضائی بمباری، لاپتہ، اغواکاری، بلیک واٹر کی مہمان نوازی،، نیٹو کنٹینرز کے ذریعے خوراک، شراب اور اسلحے کی خدمات کے عوضانے کے طور پر! یو ایس ایڈ کے ذریعے تعلیمی اداروں کو ویلنٹائن ڈے منانے اور جنسی تعلیم دینے پر (ایڈ کے پردے میں ایڈز) امدادی پیکیج اس پر مستزاد ہیں۔ میڈیا پر فوری خدمت یعنی ہر بلیک واٹری، ریمنڈ ڈیوسی دھماکہ لشکر جھنگوی، طالبان کے ناموں کی خبریں چھوڑنے کے لئے بھی ڈالر موجود ہیں۔

تازہ ترین یہ ہے کہ کوئٹہ کراچی کے بعد اب بلیک واٹری حربہ لاہور میں آزمایا گیا۔ فرقہ واریت کی آگ نہ بھڑک سکی تو دوسرا وار عیسائیوں کے ذریعے کیا گیا۔ کچھ عجب نہ ہوگا کہ کل کلاں قادیانیوں کو مظلوم بنانے کی کوشش ہو۔ حالیہ واقعے سے پنجاب کا امن و سکون تباہ کیا گیا۔ یہ حملے اصلاً دینی عنصر کو پنجاب میں کچلنے کے لئے کئے جا رہے ہیں۔ پاکستان کا معدہ ڈالروں کی زہر خورانی سے مسموم ہوا پڑا ہے۔ اسے رزق حلال سے واش کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری معیشت کے رگ و پے سے جس دن یہ زہر نکل گیا اس دن آپ حیات نو پا جائیں گے۔ بلند نگاہی، بلند پروازی آزادی اسی میں مضمر ہے۔ ضرورت اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے خود کفالت وخود انحصاری کی ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(عالمی یومِ نسواں کے غلغلے میں ڈاکٹر عافیہ کو بھی یاد کر لیجئے ع

اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

ذہانت، فطانت، ایمان اور پاکیزگی کا مرقع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ مظلوم بیٹی اپنے بچوں سے جدا دس سال سے امریکی عقوبت خانے میں ''یوم نسواں'' منانے والوں کے چہرے کا بدنما داغ ہے۔)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

تقویٰ؟

ام الیاس

تقویٰ اپنے آپ کو بچانا ہے!

ہم اپنے آپ کو کس چیز سے بچاتے ہیں؟ ہر اس چیز سے جو نقصان پہنچانے والی ہو۔ تقویٰ کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ صحیح وغلط کا، نیکی وبدی کا ایک معیار واضح ہو۔ ہم یہ جان لیں کہ دنیا میں کچھ چیزیں ہمیں نقصان پہنچانے والی اور کچھ چیزیں فائدہ پہنچانے والی ہیں۔ اس بات پر یقین بھی رکھیں، اور اسے عملاً زندگی میں تسلیم کریں۔ تقویٰ نام ہے اس قوت کا جس کے بل پر ہم ہر اُس چیز سے جسے غلط سمجھتے ہیں، بچتے ہیں اور ہر اس چیز کی طرف جسے صحیح اور مفید خیال کرتے ہیں، لپکتے ہیں۔ تقویٰ در اصل نفس کی اس کیفیت کا نام ہے جو خدا ترسی اور احساس ذمہ داری سے پیدا ہوتی ہے، اور زندگی کے ہر پہلو میں ظہور کرتی ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ کا خوف، عبدیت کا شعور اور خدا کے سامنے اپنی جوابدہی کا احساس ہو، اس بات کا ادراک ہو کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے، جہاں اللہ نے مجھے ایک مہلتِ عمل دے کر بھیجا گیا ہے۔ اور میرے مستقبل (آخرت) کے بننے یا تباہ ہونے کا فیصلہ اس پر منحصر ہے کہ اس دیئے ہوئے وقت کے اندر میں نے امتحان گاہ میں اپنی قوتوں، قابلیتوں کو کس طرح استعمال کیا؟ اللہ کی مخلوق بندوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟

یہ احساس وشعور جس شخص کے اندر پیدا ہو جائے، اس کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے اور اس کی دینی حس تیز ہو جاتی ہے۔ اس کو اللہ کی رضا کے خلاف ہر چیز کھٹکنے لگتی ہے۔ وہ اپنے نفس کا جائزہ لینے اور محاسبہ کرنے لگتا ہے۔ وہ حرام تو کجا مشتبہ امور سے بھی دور رہنے کی شعوری کوشش کرتا ہے۔ تمام اوامر کی پابندی کرتا ہے۔ حدود اللہ سے تجاوز کے اندیشے سے بھی اُس پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائی اس کا شعار بن جاتے ہیں۔ ایسے انسان کی طرزِ زندگی دوسروں سے بالکل جداگانہ اور ممتاز ہوتی ہے۔ تقویٰ و پرہیزگاری کی یہ کیفیات تعلق باللہ، فکرِ آخرت، فرائض و نوافل کے اہتمام، عبادت پر کاربند رہنے، معاملات اور حقوق العباد میں عدل وقسط، احسان، ایثار، ہمدردی اور پاکیزہ عائلی زندگی بسر کرنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ متقی و پرہیزگار شخص امانت دار بھی ہوتا ہے۔ تقویٰ افراد کو جماعتی رازوں کی حفاظت، وسائل کے صحیح استعمال، تحریکی ذمہ داریوں کی بحسن وخوبی ادائی، صلاحیتوں، استعداد اور آراء کے مناسب استعمال پر بھی آمادہ کرتا ہے۔ حدیث رسول ﷺ میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی امور کا ذمہ دار بنایا جائے اور وہ ان کے ساتھ خیانت کرے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

تقویٰ کا اصل مقام انسان کا دل ہے۔ (بخاری ومسلم) اگر آدمی کو یہ یقین ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے.......... ! میرا ہر عمل اس کی نگاہ میں ہے .... ! کوئی عمل اس سے چھپا ہوا نہیں .... ! تو اس کا دل اللہ کے تقویٰ سے معمور ہو جائے گا۔ کھڑکی دروازے بند کر دو ....! پردے گرِا دو......... ! بجلی بجھا دو.......... ! بالکل اندھیرا کر دو، پھر بھی ایک آنکھ سے میں نہیں بچ سکتا.......... ! نہیں چھپ سکتا.......... ! لہٰذا مجھے کوئی غلط کام نہیں کرنا۔ تو اِسی کیفیت کا نام تقویٰ ہے۔ دل میں تقویٰ ہو گا تو پھر اللہ کے ہر حکم کی شعوری پابندی ہو گی۔ آج تقویٰ کا لٹمس ٹیسٹ مرد کے لئے اکل حلال اور عورت کے لئے شرعی پردہ ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

فرقان دانش

نام ونسب

اس عظیم سپہ سالار کا نام صلاح الدین یوسف تھا، آپؒ نسلاً کرد تھے۔ آپؒ کے والد نجم الدین ایوب بن شاذی اپنے سب بھائیوں میں بڑے تھے۔ مؤرخین نے ایوب کو نیک دل، عابد، زاہد، متقی، رحم دل، اعلیٰ اخلاق کا مالک اور علماء وفضلاء کی قدر کرنے والا بتایا ہے۔ صلاح الدین کا چچا اسد الدین شیر کوہ بھی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ صلاح الدین کا دادا تقی الدین عمر شاذی تھا، جن سے اوپر ان کے نسب کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔

خاندانی حالات

ایک روایت کے مطابق موصل میں نجم الدین ایوب کی خدمت سے خوش ہو کر قابلیت کی بنیاد (میرٹ) پر سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی نے اسے تکریت کا والی مقرر کیا۔ تکریت کے عوام اس کی حکومت سے نہایت خوش تھے۔ جب سلطان مسعود تخت نشین ہوا تو تکریت کا قلعہ مجاہد الدین بزان کو عطا کیا۔ مجاہد الدین نے ایوب کو بدستور حاکم تکریت رہنے دیا۔ خلیفہ مسترشد باللہ کے زمانہ 526 ہجری میں عماد الدین زنگی (نور الدین زنگی کا باپ) عراق سے شکست کھا کر جا رہا تھا۔ سلطان محمود سلجوقی کا بیٹا خواجہ ساقی اتابک داؤد بھی ہمراہ تھا۔ تکریت سے گزرتے ہوئے ایوب نے ان کی خوب خدمت کی اور کشتیوں کا انتظام کر کے ہمراہیوں سمیت ان کو دجلہ پار کرایا تھا۔ اس واقعہ کے چھ برس بعد یعنی 532 ہجری/1138ء کو جس روز صلاح الدین یوسف پیدا ہوا، ایوب کو ایک واقعہ کے باعث تکریت سے نکال دیا گیا تھا۔ ہوا یوں کہ ایوب کے بھائی اسد الدین کا جو اس کے ساتھ رہتا تھا، کسی عیسائی سے جھگڑا ہو گیا۔ اسد الدین نے اسے مار ڈالا۔ مجاہد الدین کو خبر ہوئی تو اس نے دونوں بھائیوں کو تکریت چھوڑنے کا حکم دیا۔ نجم الدین ایوب اپنے بھائی کے ہمراہ شام میں عماد الدین زنگی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تکریت میں ماضی کی خاطر داری کے باعث زنگی نے ایوب اور اس کے خاندان کی بہت عزت افزائی کی۔ انعام واکرام اور جاگیروں سے نوازا۔ بعلبک کی فتح کے موقع پر عماد الدین نے ایوب کو اس کا حاکم مقرر کر دیا۔ عماد الدین کے قتل ہونے پر دمشق کی فوج نے بعلبک کا محاصرہ کر لیا۔ ایوب نے کہیں سے مدد حاصل نہ ہونے کے باعث بعلبک شہر دمشقیوں کے حوالے کرنے کے بدلے میں جاگیریں لے لیں اور بعد ازاں اپنی بہادری اور عقل وجودت کے باعث لشکر دمشق کا سپہ سالار بنا۔ دوسری طرف عماد الدین کے بعد اس کا بیٹا نور الدین زنگی شام کا حاکم بنا۔ نجم الدین ایوب کا بھائی اسد الدین شیر کوہ اس وقت نور الدین کے پاس چلا گیا اور اس کی ملازمت کے دوران اپنی دلیری، ہمت اور شجاعت سے نور الدین کی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ جب نور الدین نے دمشق کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے شیر کوہ سے کہا کہ وہ اپنے بھائی کو جو دمشق کا سپہ سالار ہے مراسلہ لکھے اور امداد طلب کرے۔ نجم الدین مدد دینے پر راضی ہو گیا اور یوں دمشق کی فتح کے بعد دونوں بھائیوں کو نور الدین زنگی کا قرب حاصل ہوا۔ اِس کے نتیجے میں دونوں بھائیوں نے خوب ترقی کی اور خاندان ایوبیہ کردیہ کی بنیاد رکھی۔ نور الدین نے دمشق کا انتظام ایوب کے پاس رہنے دیا۔ ایوب نے اپنے بیٹے توران شاہ کو جو صلاح الدین سے بڑا تھا، دمشق کا کوتوال مقرر کیا۔

صلاح الدین نوعمری ہی سے اپنے والد اور چچا کے ہمراہ بہت سی فوجی مہمات میں شریک ہوا۔ اپنے دورِ حکومت میں صلاح الدین کا سب سے بڑا کارنامہ بیت المقدس کو عیسائیوں سے آزاد کرانا تھا۔

صلاح الدین یوسف کے حالات زندگی بیان کرنے سے قبل مناسب یہ ہے کہ صلیبی جنگوں (کروسیڈز) کے پس منظر کو سمجھ لیا جائے۔

صلیبی جنگوں کا پس منظر/تاریخ

یورپ کی عیسائی سلطنتیں مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر 200 سال 489 ہجری تا 691 ہجری بمقابق 1096 تا 1292ء) مشرق وسطیٰ پر مسلسل چڑھائی کرتی رہیں۔ ان جنگوں کا بظاہر مقصد مقامات مقدسہ اور فلسطین کو مسلمانوں کے قبضے سے چھیننا تھا، لیکن اس کے ساتھ وہ مشرق وسطیٰ پر قبضہ کر کے حقیقتاً یہاں کی دولت وثروت اور وسائل کو اپنے تصرف میں لانا چاہتے تھے۔ یروشلم اور بیت المقدس انبیاء کی سرزمین کہلاتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لیے مشترکہ طور پر مقدس سرزمین کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم حضرت عمرؓ کے دور میں جب یروشلم فتح ہوا تو عیسائیوں نے شہر کی تمام چابیاں اور حقوق حضرت عمرؓ کے حوالے کر دیے تھے۔

اس کے بعد پانچویں صدی ہجری تک یہ علاقہ مسلمانوں کے زیر انتظام رہا۔ 489ھ/1096ء میں مشرق وسطیٰ پر پہلا صلیبی حملہ ہوا۔ 1095ء میں مشرق وسطیٰ کے اولوالعزم بادشاہ ملک شاہ سلجوقی کے انتقال کے باعث کوئی ایسا مسلم حکمران نہ تھا جو صلیبی یلغار کو روکنے کا دم خم رکھتا۔ نتیجتاً فلسطین میں چار آزاد عیسائی ریاستیں (بیت المقدس، انطاکیہ، طرابلس اور الرہا) قائم ہو گئیں۔ اگرچہ عیسائیوں کا مقصد پورا ہو گیا تھا لیکن انھوں نے جب سلجوقیوں میں نا اتفاقی دیکھی تو ان کے حوصلے بلند ہوئے اور انھوں نے مزید پیش قدمی شروع کر دی۔ صلیبیوں کی یہ یلغار تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی اور عین ممکن تھا کہ شام اور مصر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی لہٰذا عماد الدین زنگی اور اس کا بیٹا نور الدین زنگی صلیبیوں کے آگے ڈٹ گئے۔ عماد الدین کے دور میں الرہا کی عیسائی ریاست بھی عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔ دوسری صلیبی جنگ کا آغاز 542 ہجری/1147ء میں جرمنی کے بادشاہ کونراد سوم اور فرانس کے بادشاہ لوئی ہفتم کی قیادت میں ہوا۔ اس کا بڑا مقصد مشرق وسطیٰ میں عیسائی اقتدار کو مستحکم کرنا اور الرہا کی عیسائی ریاست کو آزاد کرانا تھا۔ عیسائی مؤرخ مچاڈ لکھتا ہے کہ دوسرے کروسیڈ میں جب دمشق پر حملہ ہوا تو ایوب دمشق کی فوج کا حاکم تھا۔ اس کے ساتھ اس کا نوعمر لڑکا صلاح الدین بھی تھا۔ ایوب اور اس کی فوج ایک دن عیسائیوں پر ایسی غالب آنے والی تھی کہ یروشلم پر قابض ہو جاتی۔ اگرچہ ایسا نہ ہوا اور دو سال کی ناکام جدوجہد

کے بعد دونوں عیسائی بادشاہوں کو بڑی ذلت سے مشرق وسطیٰ سے واپس جانا پڑا۔

یہاں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ اس دور میں آج کی طرح بڑی بڑی منظم ریاستیں قائم نہ تھیں۔ شہروں اور علاقوں پر الگ الگ حاکم ہوتے تھے۔ کسی ایک شہر یا علاقے پر حملے کی صورت میں دوسرے علاقوں کے حاکم خود اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی طرح اس شہر پر قبضہ کر لیں۔ جس دور کی تاریخ ان صفحات میں بیان ہو رہی ہے اس وقت مصر میں فاطمیوں کی خلافت اور بغداد میں عباسیوں کی خلافت تھی۔ اس زمانہ میں دورِ حاضر کی طرح نہ تو کوئی ایسا تیز ترین رسد پہنچانے کا انتظام ہوا کرتا تھا کہ مرکزی حکومت کی طرف سے یروشلم، مصر یا شام کے حکمرانوں کی فوری مدد کی جاسکے۔ دوسرے اس وقت کے مرکزی حکمرانوں کو اپنے ہی مسائل سے فرصت نہ ملتی تھی کہ اپنے زیرِ انتظام علاقوں کے حکام کی دادرسی کر سکتے۔

حالاتِ زندگی

توران شاہ کو جو صلاح الدین کا بڑا بھائی اور دمشق کا کوتوال بنایا گیا تھا، جب یمن کا فرمانروا بنایا گیا تو اس کی جگہ صلاح الدین ایوبی دمشق کے کوتوال مقرر ہوئے۔ اس دوران میں صلاح الدین ایوبی کی دمشق کے دیوان ابی سالم ہمام سے کچھ دشمنی ہوگئی اور صلاح الدین کو اپنا عہدہ چھوڑنا پڑا۔ چنانچہ صلاح الدین حلب چلا آئے۔ نور الدین کو پتا چلا تو اس نے صلاح الدین کو اپنے خاص مصاحبین میں شامل کر لیا۔ صلاح الدین چوگان کھیلنے میں بڑے ماہر تھے۔ نور الدین کو اس کھیل سے بڑا لگاؤ تھا۔ لہٰذا سفر اور حضر میں وہ صلاح الدین سے جدا نہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ کسی نے نور الدین کو اس کھیل پر ملامت کی تو اس نے جواب دیا کہ میں دل لگی کے لیے نہیں بلکہ جہاد کے لیے ضروری ورزش کی غرض سے کھیلتا ہوں کیونکہ اس کھیل کے باعث نہ صرف سپاہیوں کی ورزش ہوتی ہے بلکہ ہمارے گھوڑے بھی کسی اچانک حملہ کے واسطے تیار رہتے ہیں۔ خدا شاہد ہے کہ میری اس کھیل کی یہی وجہ ہے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: کہ شاید ہی کوئی ایسا بادشاہ ہوگا جس نے کھیل کو خدا کی رضا جوئی کا باعث بنایا ہو۔ صلاح الدین نے نور الدین زنگی ہی کی صحبت میں اعلیٰ تربیت حاصل کی اور اس نامور یگانہ شخص سے اُسے بہت عمدہ اوصاف کا سبق حاصل ہوا تھا۔ واضح رہے کہ نور الدین زنگی وہی درویش بادشاہ ہے، جس نے نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو شق کیے جانے کے ایک ناپاک منصوبے کو ناکام بنایا تھا۔ یہ واقعہ نور الدین کی بزرگی، دینداری اور تقویٰ پر دلالت کرتا ہے۔ (جاری ہے)

ضرورت رشتہ

☆ کراچی میں رہائش پذیر فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 25 سال، تعلیم بی کام، ایک سالہ قرآن فہمی کورس، شرعی پردے کی پابند کے لیے دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ برسرِ روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0315-8208920، 0331-2742322

☆ رفیق تنظیم اسلامی کے امریکہ میں مقیم بھائی، ڈاکٹر، عمر 35 سال، (پہلی بیوی سے علیحدگی ہو چکی ہے) کو عقدِ ثانی کے لئے دینی مزاج کی حامل لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0322-3002100

☆ آرائیں فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 21 سال، تعلیم بی اے، قد "5'.6 کے لئے دینی مزاج کے حامل پڑھے لکھے لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0301-7551820

دعائے صحت کی اپیل

حلقہ کراچی جنوبی کے معتمد محمد یوسف صدیقی کی خواہر نسبتی بیمار ہیں۔ اللہ انہیں صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔ قارئین سے بھی دُعائے صحت کی اپیل ہے۔

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ العزیز

"مرکز تنظیم اسلامی حلقہ مالاکنڈ نزد گرڈ اسٹیشن ڈبر (تیمر گرہ) ضلع دیر پائین" میں

مبتدی تربیتی کورس

31/مارچ تا 06/اپریل 2013ء (بروز اتوار نماز عصر تا بروز ہفتہ نماز ظہر)

اور

نقباء و امراء تربیتی و مشاورتی اجتماع

05 تا 07/اپریل 2013ء (بروز جمعہ نماز عصر تا بروز اتوار نماز ظہر)

کا انعقاد ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ رفقاء اور نقباء و امراء ان پروگراموں میں شامل ہوں،
موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0945-601337 / 0345-9535797

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت: (042)36316638-36366638
0332-4178275

اجوائن اور بیری کا خالص شہد
فری ہوم ڈلیوری: 0322-4371473

کوئٹہ اور کراچی میں بم دھماکے

فرقہ واریت یا منظّم دہشت گردی؟

خلافت فورم میں فکر انگیز مذاکرہ

مہمانانِ گرامی	جناب امیر العظیم (نائب امیر جماعت اسلامی پنجاب) جناب ایوب بیگ مرزا (ناظم نشر واشاعت تنظیم اسلامی)
میزبان:	وسیم احمد

سوال: آپ کے خیال میں کوئٹہ اور کراچی میں ہونے والے خودکش حملے اور بم دھماکے جن میں شیعہ کمیونٹی کو ٹارگٹ کیا گیا، دہشت گردی ہیں یا فرقہ واریت؟

امیر العظیم: شیعہ سنی اختلاف ہمارے ہاں یقیناً موجود ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ دونوں مسالک میں ایسے عناصر ہمیشہ سے موجود رہے ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف نفرت انگیز لٹریچر اور تقاریر وغیرہ کے ذریعہ اشتعال انگیزی اور خون ریزی کا باعث بنتے رہے ہیں۔ لیکن ہماری اندرونی کمزوریوں کو ابھارنے کے لیے ہمیشہ خارجی طاقتوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ شیعہ سنی اختلاف کو اُبھارنے کے حوالے سے خارجی طاقتیں آج بھی اُسی حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں۔ اس ساری سازش کے پیچھے ایسے عناصر بھی ملوث پائے گئے ہیں جن کی شناخت بھارت، اسرائیل اور دوسرے پاکستان دشمن ممالک کے حوالے سے سامنے آئی ہے اور کچھ ہمارے اپنے اندر سے بھی ایسے عناصر موجود ہیں جن سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے حکومتی سیکیورٹی ایجنسیوں کی یہ نہایت اہم ذمہ داری ہے کہ وہ نہ صرف شر پسند عناصر کا راستہ روکیں بلکہ عوام کو بھی مکمل طور پر اعتماد میں لیں۔ ہمارے ملک میں اس وقت جو دہشت گردی ہو رہی ہے اس میں را، موساد اور سی آئی اے ملوث ہے۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ ہماری حکومت اِن کا نام لینے سے بھی شرماتی ہے۔ یہ عجیب المیہ ہے کہ خواہ بھارت میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم ہوں یا پھر لاہور میں ریمنڈ ڈیوس جیسے کرائے کے قاتلوں کا معاملہ ہو ہمارے حکمران واقعات پر لب کشائی تک کرنا گوارا نہیں کرتے۔ یہ حکمران تو ریمنڈ ڈیوس کو بھی سفارت کار قرار دیتے رہے، یہ تو خود امریکہ کے اخبارات نے بتایا کہ وہ سفارت کار نہیں، CIA کا ایجنٹ ہے۔ ہمارے دینی حلقوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں میں مسلکی اختلافات کو ہوا دینے والے بیانات سے اجتناب کریں۔ ملی یک جہتی کونسل کے تحت دینی جماعتیں اسی نظریے کی بنیاد پر اکٹھی ہوئی ہیں کہ پاکستان میں تمام مکاتبِ فکر کی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا جائے، خاص طور پر دو بڑے مکاتبِ فکر یعنی سپاہ محمدؐ اور سپاہِ صحابہؓ کے درمیان عرصہ دراز سے قائم رنجش کو ختم کیا جائے۔ مجھے یاد ہے شروع میں ان دونوں جماعتوں کے سربراہان ایک دوسرے کے ساتھ تصویر بنوانے کو تیار نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ اسلحہ بردار لوگوں نے اپنے اپنے رہنماؤں کے بازو پکڑ کر اپنی جانب کھینچ لیا کہ وہ اکٹھے گروپ فوٹو بنوانے کے روادار نہ تھے۔ لیکن بعد کی ایک دو میٹنگوں کے بعد ان جماعتوں کے درمیان نفرت اور اختلافات کی برف پگھلی اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت پر راضی ہوئے۔ اس کے بعد ایک کوڈ آف کنڈکٹ بنا جس پر دونوں جماعتوں کے سربراہوں نے دستخط بھی کیے۔

سوال: کیا فوجی آپریشن ہی دہشت گردی کے سدباب کے لئے بہترین آپشن ہے؟ کیا آپ سوات میں کیے گئے فوجی آپریشن کے نتائج سے مطمئن ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: میں امیر العظیم صاحب کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے عرض کروں گا کہ بھارت کا وزیر داخلہ خود اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ R.S.S ایک دہشت گرد تنظیم ہے جبکہ ہمارے حکمرانوں کی یہ نااہلی کے ساتھ بزدلی بھی ہے کہ وہ بھارت کی یا دوسرے بیرونی ممالک کی دہشت گرد تنظیموں کے بارے میں بات کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اب جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے تو پاکستان کی سیاسی تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے کہ گزشتہ ادوار میں ہونے والا کوئی بھی فوجی آپریشن کبھی اچھے نتائج نہیں دے سکا۔ مثال کے طور پر 1971ء میں جنرل ٹکا خان نے یہ کہا تھا کہ ہمیں بنگالی کی بجائے بنگال کی زمین چاہیے۔ چنانچہ ہم نے وہاں آپریشن کیا۔ اِس آپریشن کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ ملک دولخت ہوگیا۔ اگرچہ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بنگال کو دولخت کرنے میں بھارت نے بھی گھناؤنا کردار ادا کیا تھا۔ لیکن بنگال کے معاملے میں پہلی غلطی تو ہماری تھی، کیونکہ ہم نے بنگلہ دیش مسئلہ کو سیاسی بنیادوں پر حل کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ اسی طرح 9/11 کے بعد امریکہ کی نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کو اپنانے کے نتیجہ میں ہمارے اپنے 35 ہزار بے گناہ لوگ لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ مزید براں اِس امریکی جنگ میں ہمارے بے شمار وسائل ضائع ہوئے ہیں۔ سوات میں فوجی آپریشن کو ہمارا سیکولر طبقہ اگرچہ نہایت کامیاب گردانتا ہے لیکن میرے نزدیک اس آپریشن سے معاملات نہایت خطرناک حد تک خراب ہوئے ہیں۔ کیونکہ سوات میں ابھی تک فوج تعینات ہے، ابھی تک معاملات وہاں کی سول انتظامیہ کے حوالے نہیں کیے گئے ہیں۔ یعنی فوج کے وہاں سے جانے کے بعد سوات کے حالات پھر سے مخدوش ہونے کے امکانات ہیں۔ میرے نزدیک ہمارے ملک کی اس وقت جو صورتِ حال ہے اُس کے پیچھے اسی شیطانی اتحادِ ثلاثہ بھارت، اسرائیل اور امریکہ کا ہاتھ ہے جس کا بنیادی مقصد پورے ملک میں فوج کو (Engage) کرنا ہے، تاکہ جب باہر سے کوئی حملہ ہو تو مختلف محاذوں پر مصروفِ عمل پاک فوج یک جا اور یکسو ہو کر اُس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ کوئٹہ اور کراچی میں ہونے والی حالیہ دہشت گردی کی کارروائیوں سے یہ بات واضح طور پر محسوس ہوتی ہے کہ شور مچا کر فوج کو اِن علاقوں میں الجھانے کی سازش کی جارہی ہے۔ ہر فوجی آپریشن کے بعد فوج کو بدنام کیا جاتا ہے، تاکہ عوام فوج کو اپنا دشمن سمجھنے لگیں۔ آپ نے جو اس تمام خوفناک صورتِ حال کے حل کی بات پوچھی ہے تو میرے نزدیک یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ انٹیلی جنس اداروں اور سیکیورٹی اداروں کو مکمل آزادی دے، تاکہ وہ کسی سیاسی دباؤ کے بغیر ان دہشت گرد گروہوں کے خلاف آپریشن کلین اپ کر سکیں۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر وہی صورتِ حال رہے گی جو کہ اس وقت درپیش ہے کہ فلاں پانچ دہشت گردوں کو ایم کیو ایم چھڑوا کر لے گئی ہے۔ تین افراد پی پی والے رہا کروا کر لے گئے ہیں۔ کہیں بعض افراد کی گرفتاری پر اے این پی کی سفارش آ گئی ہے وغیرہ۔ جس شخص کو اس بات کا ذرا بھی احساس نہ ہو کہ اُسے قتل کرنے پر قرار واقعی سزا دی جا سکتی ہے تو پھر حالات کیسے درست ہو سکتے ہیں۔ اگر حکومت مخلص اور دیانت دار ہو تو حالات سو فیصد نہ سہی، 60 فیصد تک تو یقینی طور پر دُرست کیے جا سکتے ہیں۔ البتہ کوئٹہ میں تو قانون نام کی کوئی شے سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ جہاں پر قانون ہی نہ

ہو وہاں آپ کیسے کام کر سکتے ہیں۔

سوال: وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک حالیہ دہشت گردی کے واقعات کا ذمہ دار لشکر جھنگوی اور پنجابی طالبان کو قرار دیتے ہیں۔ کیا اس بات میں کوئی حقیقت ہے یا یہ سیاسی پوائنٹ سکورنگ ہے اور مسلم لیگ (ن) کو پریشرائز کرنے کا حربہ ہے؟

امیر العظیم: میرے خیال میں یہ بلیم گیم کی ایک غلط روایت ہے، جس میں ایک وزیر داخلہ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ بار بار لشکرِ جھنگوی اور پنجابی طالبان پر پورے ملک میں دہشت گردی کے الزامات عائد کر رہا ہے اور اس کا ذمہ دار پنجاب حکومت کو گردانا جاتا ہے کہ وہ اِن عناصر کے خلاف کارروائی نہیں کرتی۔ اگر تو یہ عناصر واقعی دہشت گرد ہیں تو پھر وزیر داخلہ کیا کر رہے ہیں؟ سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں تو پیپلز پارٹی کی حکومت ہے جبکہ مسلم لیگ (ن) کی حکومت تو صرف پنجاب میں ہے۔ آپ بقیہ تینوں صوبوں میں ان عناصر کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے انھیں گرفتار کیوں نہیں کرتے اور انھیں عوام کے سامنے کیوں نہیں لاتے۔ میرے خیال میں یہ صرف اور صرف بہتان تراشی ہے اور پنجاب حکومت کے خلاف سازش ہے۔ یہ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے سیاسی رہنما ووٹوں کی خاطر انسانی لاشوں پر سیاست کرتے ہیں۔

سوال: دہشت گردی کے حالیہ واقعات کے بعد قمر الزمان کائرہ نے کہا ہے کہ دہشت گردی کا مقصد الیکشن ملتوی کروانا ہو سکتا ہے۔ کیا آپ اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: میری رائے میں یہ بات جزوی طور پر درست ہو سکتی ہے، کیونکہ 9/11 کے بعد امریکہ نے پاکستان کو مکمل طور پر فوکس کیا ہوا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کا کلیدی کردار ہے۔ 9/11 سے پہلے پاکستان میں جمہوریت پر شب خون مار کر جرنیل پرویز مشرف نے اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ تمام کام امریکہ نے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت کروایا تھا۔ امریکہ 9/11 کا ڈراما رچا کر دراصل اس خطے میں اپنے مذموم عزائم کی تکمیل چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں وائٹ ہاؤس اور پینٹاگون میں شدید اختلافات تھے۔ وائٹ ہاؤس کا کہنا تھا کہ 9/11 کے ڈرامے کے بعد اس خطے میں ہمارے مقاصد کو نواز شریف بھی پورا کر سکتا ہے۔ جبکہ پینٹاگون کا خیال تھا کہ اگر کسی وقت نواز شریف یا فوج میں اختلاف ہو گیا تو وہ اس خطے میں ہمارے مقاصد کے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔ لہٰذا ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت نواز شریف کو اقتدار سے الگ کر کے ایک فوجی جرنیل کو برسر اقتدار لایا گیا، جس نے امریکی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے کھل کر کام کیا۔ پرویز مشرف کے بعد بھی امریکہ پاکستان میں ایسے شخص کو برسر اقتدار لانا چاہتا تھا جو امریکہ کی ہاں میں ہاں ملاتا رہے۔ چنانچہ آصف علی زرداری کی شکل میں ایک نیا وفادار سامنے لایا گیا جو امریکہ کے مقاصد پر ڈٹ کر کام کر رہا ہے بلکہ آصف علی زرداری نے تو امریکہ کے ساتھ وفاداری کے معاملے میں مشرف کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اس تناظر میں امریکہ کو فی الحال کوئی ایسا وفادار لیڈر نظر نہیں آ رہا ہے جو اُس کے مقاصد کی تکمیل میں معاون ثابت ہو سکے۔ اگرچہ امریکی ہمارے سب سیاستدانوں کے معاملے میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اُس کا کوئی مطالبہ بالکل مسترد نہیں کر سکتے۔ لیکن 100 فیصد والی بات امریکہ کو پاکستانی سیاستدانوں میں نظر نہیں آ رہی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو پاکستان میں ہونے والی موجودہ دہشت گردی کی دو وجوہات دکھائی دیتی ہیں۔

(1) دہشت گردی اور تخریب کاری کے واقعات کے ذریعے الیکشن ملتوی کروانا، تاکہ امریکہ کو اس دوران اپنی پسند کا کوئی شخص نظر آ جائے جس کو بذریعہ الیکشن وہ کامیاب کروا سکے۔

(2) فوج کو اتنا مجبور کر دیا جائے کہ وہ دہشت گردی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اقتدار پر قبضہ کر کے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دے۔ کیونکہ امریکہ ایک پارلیمنٹ اور جمہوری حکومت کی نسبت ایک فوجی آمر سے معاملات کو آسانی اور سہولت سے طے کر لیتا ہے جبکہ سول حکومت میں امریکہ کو پارلیمنٹ سے ڈیل کرنے میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا بیرونی سازشوں سے قطع نظر ملک کی تمام بڑی سیاسی جماعتیں سوائے ڈاکٹر طاہر القادری کے اس بات پر متفق ہیں کہ الیکشن وقت پر ہوں۔

سوال: حکومتی ایجنسیاں اور پولیس دہشت گردی کو کنٹرول کرنے میں ناکام ہیں۔ عدلیہ ثبوت نہ ملنے پر پکڑے گئے دہشت گردوں کو رہا کر دیتی ہے۔ پھر آخر دہشت گردی کا تدارک کیسے ممکن ہے؟

امیر العظیم: یہ بہت اچھا سوال ہے۔ میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ امریکہ دہشت گردی کے حوالے سے پالیسی بنا کر ہماری سول اور فوجی حکومت کو کنٹرول کر رہا ہے۔ کیونکہ بہت سے مغربی اخبارات کے ذریعے اور انٹرنیٹ پر یہ حقائق سامنے آ چکے ہیں۔ خصوصاً پچھلے سال کے ٹائم میگزین نے دنیا کے 100 بڑے لوگوں کی فہرست میں پاکستان سے جس ایک شخصیت کا انتخاب کیا تھا وہ ISI چیف جنرل شجاع پاشا تھے۔ یعنی پاکستان سے چیف جسٹس آف پاکستان اور آرمی چیف کو نظر انداز کر کے صرف ISI کے چیف کا انتخاب کیا گیا۔ جس کے کچھ دنوں بعد ہی ایبٹ آباد آپریشن کے ذریعہ اسامہ بن لادن کو شہید کر دیا گیا۔ ملک سے دہشت گردی کی روک تھام کے لیے ہمیں کچھ اہم کام کرنا ہوں گے۔ (1) ہم سب کو اکٹھے ہو کر یہ عہد کرنا ہوگا کہ ہم اپنے ذاتی مفادات پر ملکی مفاد کو فوقیت دیں گے اور ہمیں اس نام نہاد دہشت گردی کی جنگ سے الگ ہونا پڑے گا۔ (2) دنیا میں جنگیں اب سرحدوں کی بجائے ملک کے اندر ہو رہی ہیں۔ لہٰذا سیکیورٹی ایجنسیوں اور انٹیلی جنس ایجنسیوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اندرونی دہشت گردی کا مناسب سدباب کریں۔ اس حوالے سے اب حکومت کو چاہیے کہ وہ خارجی سطح پر دفاعی بجٹ کو کم کر کے اِن سیکیورٹی ایجنسیوں اور لا اینڈ آرڈر کی صورتِ حال کو کنٹرول کرنے والے اداروں پر صرف کرے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ دہشت گردی کے حوالے سے موبائل فون پر جامر لگانے کے لیے پولیس کو ISI سے مدد لینی پڑتی ہے۔ یعنی پولیس کو اس قسم کی بنیادی سہولیات بھی میسر نہیں کہ وہ دہشت گردی کی روک تھام کے لیے مؤثر ذرائع استعمال کر سکے۔ دہشت گردوں کو پکڑنے کے لیے پولیس کو ناکے لگانے پڑتے ہیں۔ لہٰذا دہشت گردی کا شکار بھی سب سے زیادہ پولیس اہلکار ہوتے ہیں۔ اگر ہم اپنی پولیس کا موازنہ دوسرے ممالک کی پولیس سے کریں تو دہشت گردوں کو پکڑنے اور اپنے حفاظتی انتظامات کے حوالے سے وہ ہم سے کئی گنا بہتر ہیں۔ (3) پولیس اور فوج کو مل کر دہشت گردوں کی کمین گاہوں کا پتہ چلا کر دہشت گردوں کے خلاف ٹارگیٹڈ آپریشن کرنا چاہیے تاکہ ملک کے اندر مقامی آبادی کا کم سے کم نقصان ہو۔

سوال: ایک رائے یہ ہے کہ دہشت گردوں سے نمٹنے کے لیے تامل باغیوں کے خلاف سری لنکن حکومت کے کامیاب آپریشن سے راہنمائی لیتے ہوئے دہشت گردی کے خلاف ٹارگیٹڈ آپریشن کیا جائے تو کامیابی کے امکانات ہیں۔ آپ اس رائے سے اتفاق کریں گے؟

امیر العظیم: اگر ہم اپنے ملک میں سری لنکا کے فوجی آپریشن جیسا تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے لیے سب سے پہلے پاکستان کو اس امریکی جنگ سے خود کو مکمل طور پر الگ کرنا ہوگا اور یہ اعلان کرنا ہوگا کہ ہم آئندہ امریکہ کو کراچی سے افغانستان تک کسی بھی قسم کی کوئی لاجسٹک سپورٹ فراہم نہیں کریں گے۔ پھر ہم اپنی ایک آزاد حکمت عملی کی پالیسی بنائیں، جس کی کمانڈ اینڈ کنٹرول

اتھارٹی فوج کے پاس ہو اور اس میں پولیس مکمل طور پر جدید تقاضوں سے لیس ہو نیز پولیس کا کام سیاست دانوں کو VIP پروٹوکول دینے کی بجائے ملکی سلامتی ہو۔ یعنی پولیس عوام کی خدمت کے لیے مختص رہنی چاہیے نہ کہ سیاستدانوں کی سیکیورٹی کے لیے۔ اگر ہم ان باتوں پر خلوص نیت کے ساتھ عمل پیرا ہوں تو پھر آسانی سے دہشت گردی پر قابو پا سکتے ہیں۔

سوال : کوئٹہ اور کراچی میں دہشت گردی کے حالیہ واقعات کیا گوادر پورٹ کو چین کے حوالے کرنے اور ایران گیس پائپ لائن منصوبے کے خلاف امریکی ردعملہ یں؟

ایوب بیگ مرزا : میرے نزدیک موجودہ حکومت نے جاتے جاتے یہ دو نہایت اچھے کام کیے ہیں: ایک گوادر پورٹ کی چین کو حوالگی اور دوسرا پاک ایران گیس پائپ لائن منصوبے کا معاہدہ۔ شیعہ کمیونٹی کو ٹارگٹ اس لئے کیا جا رہا ہے، تاکہ دونوں ممالک کے تعلقات خراب کر کے پاک ایران گیس پائپ لائن منصوبہ کو سبوتاژ کیا جاسکے۔ اب تو یہ بھی کھل کر کہا جا رہا ہے کہ اگر پاکستان نے ایران کے ساتھ ہونے والے اس معاہدے کو ختم نہ کیا تو پھر اُس پر اقتصادی پابندیاں لگا دی جائیں گی۔ جبکہ بھارت کا معاملہ یہ ہے کہ بھارت ایران سے جو تیل درآمد کر رہا ہے اس پر امریکہ نے بھارت سے یہ درخواست کی ہے کہ وہ ایران سے تیل درآمد کرنے میں کمی کرے لیکن بھارت نے امریکی دباؤ کو مسترد کر دیا۔ جبکہ ہمارے اوپر پابندیاں لگائی جا رہی ہیں اور پے در پے دہشت گردی کے واقعات ہو رہے ہیں، جس میں بہت سے لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ امریکہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر کل کلاں افغانستان میں طالبان برسرِ اقتدار آ گئے تو پھر یہ تینوں اسلامی ممالک امریکہ کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا امریکہ کی یہ دیرینہ خواہش ہے کہ معاشی و اقتصادی لحاظ سے ایران اور پاکستان کو مکمل طور پر اپنے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا جائے۔ دہشت گردی کے حوالے سے ہماری مختلف سیاسی جماعتوں کے ساتھ ہماری دینی جماعتوں کو بھی اپنے آپس کے تعلقات پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ دینی جماعتیں اپنے اختلافات کو ایک طرف رکھ کر اشتراک باہمی پر توجہ دیں۔ اگرچہ دہشت گردی کو تمام دینی جماعتیں ناپسند کرتی ہیں لیکن اِس کے سد باب کے لیے دینی جماعتوں کی جانب سے سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا جا رہا۔ دہشت گردی کے حوالے سے امریکی وزارتِ خارجہ جو رپورٹ منظر عام پر لائی ہے اُس میں رچرڈ ہالبروک یہ گلہ کر رہا ہے کہ دہشت گردی کے حوالے سے ہم نے پاکستان میں بعض افراد کو فرقہ واریت بڑھانے کے لیے کثیر رقم دی ہے لیکن انھوں نے اس حوالے سے کچھ نہیں کیا۔ لہٰذا اس چشم کشا رپورٹ کے منظر عام پر آنے کے بعد ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے دینی حلقے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ملکی مفاد میں مل بیٹھیں اور فیصلہ کریں کہ ہم کسی بھی بیرونی طاقت کا آلہ کار نہیں بنیں گے۔

سوال : بنگلہ دیش کو قائم ہوئے 42 سال ہو چکے ہیں۔ یہ بتائیں کہ اتنے عرصے کے بعد جماعت اسلامی کے راہنما دلاور حسین کو سزائے موت دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

ایوب بیگ مرزا : حسینہ واجد ایک سیکولر خاتون ہیں، اور اِن کے ایک وزیر نے اسلام کے حوالے سے نہایت قابل مذمت بیان دیا ہے۔ بنگلہ دیش میں یہ بین الاقوامی سازش ہو رہی ہے کہ اُسے اسلام سے دور کر دیا جائے اور بھارت کی طرح کا ایک متعصب سیکولرازم بنگلہ دیش میں رائج کیا جائے۔ آئین میں سے بسم اللہ اور اسلام کے الفاظ کا خارج کرنا واضح طور پر بنگلہ دیشی حکومت کی اسلام کے خلاف کھلم کھلا دشمنی کا ثبوت ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بیرونی استعماری طاقتوں کی جانب سے مختلف ادوار میں اسلامی جماعتوں کو ٹارگٹ کیا جاتا رہا، اور اسلامی دستور، نامور شخصیات اور اسلامی شعائر کو نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔

سوال: البدر اور الشمس جیسی تنظیموں پر (جو جماعتِ اسلامی کی ذیلی تنظیمیں تھیں) پاکستانی فوج کے ساتھ مل کر بنگالیوں کے قتل عام کا الزام ہے۔ یہ بات کس حد تک درست ہے؟

امیر العظیم : تاریخ گواہ ہے کہ جماعت اسلامی بنگلہ دیش میں پُر امن رول ادا کرتی آ رہی ہے۔ اسی طرح جب سید ابوالاعلیٰ مودودی بنگلہ دیش گئے تو انھیں پلٹن کے میدان میں جلسہ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی جس پر دوران احتجاج ہمارے بہت سے کارکن شہید ہوئے مگر ہماری جماعت پُر امن رہی۔ یحییٰ خان اور بھٹو صاحب کی غلطیوں سے بھارت نے فائدہ اُٹھایا۔ جب بنگلہ دیش میں بھارتی ہاتھ ملوث ہونے کے واضح ثبوت سامنے آ گئے تو پھر جماعت اسلامی کے نوجوانوں نے بھارت کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ جماعتِ اسلامی کے یہ نوجوان خود بنگالی تھے اور جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے ان کارکنوں نے کسی بھی بنگلہ دیشی کو قتل نہیں کیا۔

ایوب بیگ مرزا : اس حوالے سے بنگلہ دیش کی ایک ہندو خاتون نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے صاف لکھا ہے کہ جو یہ بتایا جا رہا ہے کہ پاک فوج نے بنگلہ دیش میں بہت قتل عام کیا تھا اور ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی، یہ پاک فوج پر جھوٹا الزام اور پروپیگنڈا ہے بلکہ بنگلہ دیش میں پاک فوج کی شکست کے بعد جتنا ظلم غیر بنگالیوں پر ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ اگر جماعت اسلامی واقعی اسی طرح کی ظالمانہ کارروائیوں میں ملوث تھی تو بنگلہ دیش میں پہلے مجیب الرحمٰن کی حکومت تھی، انہوں نے اس کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی؟ اسی طرح حسینہ واجد کے سابقہ حکومتی ادوار میں جماعت اسلامی کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی گئی؟ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد گڑے مردے اُکھاڑنا اور اس قسم کے جھوٹے مقدمات بنا کر اسلامی لیڈروں کو پھانسی دینا یہ تمام عوامل اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس وقت پوری دنیا میں اسلامی ممالک کے اندر اسلامی شخصیات کو ٹارگٹ کیا جا رہا ہے۔ جس کی تازہ مثال ہم واضح انداز میں تیونس، مصر، لیبیا اور عراق وغیرہ میں دیکھ سکتے ہیں۔ (مرتب: وسیم احمد/محمد بدر الرحمٰن)

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ حلقہ کراچی جنوبی کی تنظیم ڈیفنس کے معتمد انصار احمد کے والد وفات پا گئے

☆ حلقہ کراچی جنوبی کی تنظیم سوسائٹی کے رفیق امیر حسین کے بڑے بھائی وفات پا گئے

☆ جامع مسجد فاروقیہ ملک وال کے خطیب حافظ عزیز الرحمٰن خورشید کا جواں سال بھانجا وفات پا گیا

☆ تنظیم اسلامی ہارون آباد شرقی کے امیر رانا عرفان کے ماموں جان وفات پا گئے

☆ مقامی تنظیم بہاولنگر کے رفیق ارشد اقبال خٹک کی اہلیہ وفات پا گئیں

☆ منفرد اسرہ عارف والا 2 کے رفیق چودھری وقاص اکرم کی خالہ جان خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔

☆ مبتدی رفیق گوہر زمان (بٹ خیلہ) کی والدہ صاحبہ فوت ہو گئیں

☆ ملتزم رفیق شوکت اللہ شاکر (بٹ خیلہ) کے والد صاحب فوت ہو گئے

☆ ملتزم رفیق محمد عارف خان (بٹ خیلہ) کی بہن اور بھابھی وفات پا گئیں

☆ ملتزم رفیق عبد العظیم کا نوجوان بھتیجا حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پا گیا

اللہ تعالیٰ مرحومین و مرحومات کی مغفرت فرمائے۔

قارئین ندائے خلافت سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِكَ
وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

ہیلو، ہائے، بائے نہیں

سلام کو رواج دیجیے!

بنتِ اسرار

ماشاء اللہ کیا خوبصورت اور معنی خیز لفظ ہے ''سلام''۔ کچھ عرصہ پہلے گھروں میں سات سلام بھی بھیجے جاتے تھے، لیکن وہ ادب اور احترام کے بجائے کسی سے جان چھڑانے اور کسی سے منہ نہ لگانے کے معنوں میں استعمال ہوتے تھے۔ قرآن پاک میں بھی لفظ سلام چند مواقع پر استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

1۔ جب ایک جاہل اور نادان شخص بحث ومباحثہ پر اتر آئے (خصوصاً دینی معاملے میں) تو سلام کہہ کر اس سے جان بچانے کی تعلیم ہے۔ سورۃ الفرقان کی آیت 62 میں مومن بندوں کی شخصیت کے اوصاف میں بتایا گیا ہے کہ ''اور جب ان سے بے سمجھ (جاہل) مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلام کہہ دیتے ہیں۔''

2۔ اسی طرح جنت میں اہل جنت کا ترانہ بھی ''قَالُوْ سَلٰماً سَلٰماً'' ہوگا۔ پھر یہ کہ جنت میں رب رحیم کی طرف سے بھی ''سَلٰمٌ قَوْلاً'' کی صدائیں بلند ہو رہی ہوں گی۔ جنت والے جنت میں داخل ہوں گے تو دروازے پر فرشتے بھی ''سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ'' کی بشارتیں دیں گے۔ البتہ جہنمی لوگ ایک دوسرے کو سلام نہ کر سکیں گے کیونکہ ''سلام'' سلامتی سے نکلا ہے اور سلامتی جہنمی لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ وہ تو نہ زندوں میں ہوں گے نہ مردوں میں۔

3۔ یہی سلام قرآن پاک میں فرشتوں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مکالمے میں بھی مذکور ہے۔ فرشتے آئے تو انہوں نے کہا ''قَالُوْ سَلٰمًا'' جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کہا ''قَالَ سَلٰمٌ''۔

مسلمانوں میں آج کل سلام کا تبادلہ تقریباً مفقود ہو چکا ہے۔ اس کی جگہ ہیلو، ہائے، OK، گڈ بائے، گڈ مارننگ، ویلکم، آداب یا صرف ہاتھ سے مصافحہ اور ایک دوسرے کے ساتھ گال سے گال ملا کر ملاقات کا آغاز کیا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اللہ حافظ یا خدا حافظ کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ہمارا دین ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ جب تم کسی کے گھر جاؤ تو سلام کرو نبی مکرم ﷺ کے ارشاد مبارکہ کا مفہوم ہے سلام کو عام کرو۔ اس سے باہم محبت بڑھے گی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آج ہم مسلمان بھی ایک دوسرے پر سلامتی نہیں بھیجتے اور جہنم کے لوگ بھی ایک دوسرے کو سلامتی نہ بھیج سکیں گے!

دین اسلام نے ہر معاملے میں ہماری رہنمائی کی ہے۔ جب ہمارے سامنے قرآن وسنت کی واضح رہنمائی ہے کہ ہم سلام سے ملاقات کا آغاز کریں اور سلام کہہ کر دوسروں سے رخصت ہوں تو پھر ہم کیوں غیر مسلموں کے کلمات ادا کرتے ہیں؟ نہ صرف یہ کلمات ادا کرتے ہیں بلکہ اس کے حق میں الٹی سیدھی دلیلیں بھی لے آتے ہیں کہ اس میں حرج ہی کیا ہے؟ یہ تو تعارفی کلمات ہیں ___ جبکہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ میں دونوں جہان کی سلامتیاں، رحمتیں اور برکتیں شامل حال رہتی ہیں، جو کسی اور مذہب میں کسی اور لفظ کو ادا کرنے میں نہیں۔ گھر سے جائیں تو گھر والوں سے سلامتی کی دعائیں لے کر جائیں۔ ہم جہاں بھی جائیں گے یہ دعائیں ہمارے ساتھ ہوں گی۔ واپس گھر لوٹیں تو برکتوں، رحمتوں اور سلامتیوں سے جھولیاں بھرتے ہوئے داخل ہوں اور مفت میں نیکیوں کے انبار جمع ہو جائیں گے۔ فون پر بات کریں تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہیں۔ بار بار بھی کہنا پڑے تو ضرور کریں۔ اگلا جواب دے نہ دے، آپ کو تو نیکیاں ملتی ہی جائیں گی۔ فون بند کریں تو پھر یہی (سلام کا) کلمہ دوبارہ دہرائیں۔ نبی کریم ﷺ کی تو تعلیم یہاں تک ہے کہ اگر تم کسی اوٹ سے نکلو تب بھی سامنے کھڑے فرد سلام کرو۔ مرد حضرات کو تو گھر سے باہر جگہ جگہ ایک دوسرے کا سامنا کرنا پڑتا ہے، صرف سلام کرنے سے ہی ایک دوسرے کے دل میں ادب واحترام کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ آپ آزما کر دیکھیں، اگر کسی دکان میں داخل ہوں، آفس میں جائیں یا کسی بھی نئی جگہ پر جائیں، اگر سلام کی عادت ڈال لیں تو دوسرا شخص آپ سے سلام نہ کرنے والے شخص کی نسبت زیادہ اخلاق سے بات کرے گا۔ جیسے اسلام امن وسلامتی کا دین ہے ایسے ہی سلام میں بھی سلامتی مضمر ہے۔ دوسرے تمام تعارفی الفاظ ہماری نظر میں بالکل بے معنی ہیں یعنی ہیلو، ہائے، بائے وغیرہ۔ اگر ایک مسلمان بھی یہ کہتا ہے کہ ان الفاظ کو ادا کرنے میں کیا حرج ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہوا کہ ان الفاظ کا اصل مفہوم ہم نہیں، غیر مسلم جانتے ہیں۔ جیسا کہ ''السلام علیکم'' کا مطلب (تم پر سلامتی ہو) ہمیں آتا ہے، غیر مسلموں کو نہیں معلوم۔ ہو سکتا ہے وہ بھی یہ کہتے ہوں کہ یہ تو مسلمانوں کا ایک تعارفی لفظ ہے۔ اس کو استعمال کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جبکہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ سلامتی کس شخص پر بھیجنی چاہیے۔ سلام تو اتنا پاک، صاف اور بامعنی لفظ ہے کہ غیر مسلموں کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا۔ سلامتی کی یہ شان تو صرف مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہمارے دین میں اگر کوئی تعارفی کلمہ موجود نہ ہوتا پھر تو ہم دوسروں کے محتاج ہوتے لیکن جب ہمیں قرآن وحدیث میں کثرت سے سلام کا ذکر ملتا ہے تو ہم اپنے مسلمان بہن بھائیوں کو دعائیں دینے میں کنجوسی کیوں کریں؟ ہم غیروں کے الفاظ کیوں استعمال کریں۔ قبرستان سے گزرتے وقت ہمیں جو دعا سکھائی گئی ہے اُس کا آغاز بھی یوں ہوتا ہے ''السلام علیکم یا اھل القبور''۔ وہاں پر تو کبھی کسی نے OK، ہیلو، گڈ مارننگ نہیں کہا۔ یہ کتنی محرومی ہے کہ ہم مردہ لوگوں پر تو سلام بھیجیں اور زندہ لوگوں سے ملاقات اور وداع کے موقع پر ہیلو اور OK وغیرہ کہیں۔ براہِ کرم اپنے گھروں میں آتے جاتے گھر کے افراد کو سلام کریں۔ جانے والا پیچھے والوں کو سلام کرے۔ آنے والا اندر والوں کو سلام کرے۔ کھڑا شخص بیٹھے لوگوں کو سلام کرے۔ اسلام نے بڑے چھوٹے کی تمیز کے بغیر سلام کرنے کے آداب سکھائے ہیں۔ لہٰذا خود اپنے اہل خانہ اور معاشرے کو مفت کی نیکیاں سمیٹنے کا موقع دیں اور خود زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمائیں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حویلی کا راز

مسلمانوں میں تفرقہ بازی کو فروغ دینے والے ایک خفیہ ادارے کا چشم کشا احوال

شبیر احمد

اسلام کے خلاف عیسائی اور یہودی ابتدا ہی سے سازشوں میں مصروف ہیں۔ مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر اسلام کو نقصان پہنچانے کے جس حربہ کا ذکر زیرِ نظر مضمون میں ہوا ہے، اُسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ سازش اگرچہ 1950ء کی دہائی میں طشت ازبام ہوئی تھی، لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ عالم اسلام کی جانب سے تاحال اس کے تدارک کی کوئی کوشش سامنے نہیں آئی۔ اکیسویں صدی کی دوسری دہائی میں اس مضمون کی اشاعت کا مقصد یہی ہے کہ ہم وطن عزیز میں جاری فرقہ وارانہ کشمکش کے پس پردہ محرکات سے آگاہ ہو سکیں، اور کم از کم انفرادی سطح ہی پر اپنے دین وایمان کو بچانے کا اہتمام کر سکیں۔ (ادارہ)

نواب راحت سعید خان چھتاری 1940ء کی دہائی میں ہندوستان کے صوبے اتر پردیش کے گورنر رہے۔ انگریز حکومت نے انہیں یہ اہم عہدہ اس لیے عطا کیا کہ وہ مسلم لیگ اور کانگریس کی سیاست سے لاتعلق رہ کر انگریزوں کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ نواب چھتاری اپنی یادداشتیں لکھتے ہوئے انکشاف کرتے ہیں کہ ایک بار انہیں سرکاری ڈیوٹی پر لندن بلایا گیا۔ ان کے ایک پکے انگریز دوست نے جو ہندوستان میں کلکٹر رہ چکا تھا، نواب صاحب سے کہا ''آیئے! آپ کو ایک ایسی جگہ کی سیر کراؤں جہاں میرے خیال میں آج تک کوئی ہندوستانی نہیں گیا''۔ نواب صاحب خوش ہو گئے۔ انگریز کلکٹر نے پھر نواب صاحب سے پاسپورٹ مانگا کہ وہ جگہ دیکھنے کے لیے حکومت سے تحریری اجازت لینی ضروری تھی۔ دو روز بعد کلکٹر اجازت نامہ ساتھ لے آیا اور کہا ''ہم کل صبح چلیں گے، لیکن میری موٹر ہے، سرکاری موٹر وہاں لے جانے کی اجازت نہیں''

اگلی صبح نواب صاحب اور وہ انگریز منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر سے باہر نکل کر بائیں طرف جنگل شروع ہو گیا۔ جنگل میں ایک پتلی سی سڑک موجود تھی۔ جوں جوں چلتے گئے جنگل گھنا ہوتا گیا۔ سڑک کے دونوں جانب نہ کوئی ٹریفک تھا نہ کوئی پیدل مسافر! نواب صاحب حیران بیٹھے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ موٹر چلتے چلتے آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت گزر گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بہت بڑا دروازہ نظر آیا، پھر دور سامنے ایک نہایت وسیع وعریض عمارت دکھائی دی۔ اس کے چاروں طرف کانٹے دار جھاڑیوں اور درختوں کی ایسی دیوار تھی جسے عبور کرنا ممکن نہ تھا۔ عمارت کے چاروں طرف زبردست فوجی پہرہ تھا۔

اس عمارت کے باہر فوجیوں نے پاسپورٹ اور تحریری اجازت نامہ غور سے دیکھا اور حکم دیا کہ اپنی موٹر وہیں چھوڑ دیں اور آگے جو فوجی موٹر کھڑی ہے، اس میں سوار ہو جائیں۔ نواب صاحب اور انگریز کلکٹر پہرے داروں کی موٹر میں بیٹھ گئے۔ پھر اس پتلی سڑک پر سفر شروع ہوا۔ وہی گھنا جنگل اور دونوں طرف جنگلی درختوں کی دیواریں! نواب صاحب گھبرانے لگے، تو انگریز نے کہا! ''بس منزل آنے والی ہے۔''

آخر دور ایک اور سرخ پتھر کی بڑی عمارت نظر آئی تو فوجی ڈرائیور نے موٹر روک دی اور کہا ''یہاں سے آگے آپ صرف پیدل جا سکتے ہیں۔'' راستے میں کلکٹر نے نواب صاحب سے کہا ''یاد رکھیں! کہ آپ یہاں صرف دیکھنے آئے ہیں، بولنے کی یا سوال کرنے کی بالکل اجازت نہیں۔''

عمارت کے شروع میں وسیع دالان تھا۔ اس کے پیچھے متعدد کمرے تھے۔ دالان میں داخل ہوئے تو ایک باریش نوجوان عربی کپڑے پہنے، سر پر عربی رومال لپیٹے ایک کمرے سے نکلا۔ دوسرے کمرے سے ایسے ہی دو نوجوان اور نکلے۔ پہلے نے عربی لہجے میں ''السلام علیکم'' کہا۔ دوسروں نے کہا ''وعلیکم السلام! کیا حال ہے؟''

نواب صاحب یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کچھ پوچھنا چاہتے تھے، لیکن انگریز نے فوراً اشارے سے منع کر دیا۔ چلتے چلتے ایک کمرے کے دروازے پر پہنچے۔ دیکھا کہ اندر مسجد جیسا فرش بچھا ہے۔ عربی لباس میں ملبوس متعدد طلبہ فرش پر بیٹھے ہیں۔ ان کے سامنے استاد بالکل اسی طرح بیٹھے سبق پڑھا رہے ہیں، جیسے اسلامی مدرسوں میں پڑھاتے ہیں۔ طلبہ عربی اور کبھی انگریزی میں استاد سے سوال بھی کرتے۔

نواب صاحب نے دیکھا کہ کسی کمرے میں قرآن مجید پڑھایا جا رہا ہے، کہیں قراءت سکھائی جا رہی ہے، کہیں تفسیر کا درس ہو رہا ہے، کسی جگہ بخاری شریف کا درس دیا جا رہا ہے اور کہیں مسلم شریف کا۔ ایک کمرے میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان مناظرہ ہو رہا تھا۔ ایک اور کمرے میں فقہی مسائل پر بات ہو رہی تھی۔ سب سے بڑے کمرے میں قرآن کا ترجمہ مختلف زبانوں میں سکھایا جا رہا تھا۔

انہوں نے نوٹ کیا کہ ہر جگہ باریک مسئلے مسائل پر زور ہے۔ مثلاً غسل کا طریقہ، وضو، روزے، نماز اور سجدۂ سہو کے مسائل، وراثت اور رضاعت کے جھگڑے، لباس اور داڑھی کی وضع قطع، گا گا کر آیات پڑھنا، غسل خانے کے آداب، گھر سے باہر جانا، لونڈی غلاموں کے مسائل، حج کے مناسک، بکرا، دنبہ کیسا ہو، چھری کیسی ہو، حج بدل اور قضا نمازوں کی بحث، عید کا دن کیسے طے کیا جائے اور حج کا کیسے؟ میز پر بیٹھ کر کھانا، پتلون پہننا جائز ہے یا ناجائز؟ عورت کی پاکی اور ناپاکی کے جھگڑے، حضور ﷺ کی معراج روحانی تھی یا جسمانی؟ امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھی جائے یا نہیں؟ تراویح آٹھ ہیں یا بیس؟ نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے تو آدمی کیا کرے؟ سود مفرد جائز ہے یا ناجائز؟ وغیرہ۔ ایک استاد نے سوال کیا، پہلے عربی پھر انگریزی اور آخر میں نہایت شستہ اردو میں!'' جماعت اب یہ بتائے کہ جادو، نظر بد، تعویذ گنڈہ آسیب کا سایہ برحق ہے یا نہیں؟'' پینتیس چالیس کی جماعت بیک آواز پہلے انگریزی میں بولی "TRUE" "TRUE" پھر عربی میں یہی جواب دیا اور پھر اردو میں!

ایک طالب علم نے کھڑے ہو کر سوال کیا ''الاستاد عبادت کے لیے نیت ضروری ہے تو مردہ لوگوں کا حج بدل کیسے ہو سکتا ہے؟ قرآن تو کہتا ہے ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے''۔ استاد بولے ''قرآن کی بات مت کرو، روایات، ورد اور استخارے میں مسلمانوں کا ایمان پکا کرو۔ ستاروں، ہاتھ کی لکیروں، مقدر اور نصیب میں انہیں الجھاؤ۔''

یہ سب دیکھ کر وہ واپس ہوئے تو نواب چھتاری نے انگریز کلکٹر سے پوچھا ''اتنے عظیم دینی مدرسے کو آپ نے کیوں چھپا رکھا ہے؟'' انگریز نے کہا ''ارے بھائی، ان سب میں کوئی مسلمان نہیں، یہ سب عیسائی ہیں۔ تعلیم مکمل ہونے پر انہیں مسلمان ملکوں خصوصاً مشرق وسطیٰ، ترکی، ایران اور ہندوستان بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر یہ کسی بڑی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ پھر نمازیوں سے کہتے ہیں کہ وہ یورپی مسلمان ہیں۔ انہوں نے مصر کی جامعۃ الازہر میں تعلیم پائی ہے اور وہ مکمل عالم ہیں۔ یورپ میں اتنے اسلامی ادارے موجود نہیں کہ وہ تعلیم دے سکیں۔ وہ سردست تنخواہ نہیں چاہتے، صرف کھانا، سر چھپانے کی جگہ درکار ہے۔ پھر وہ مؤذن، پیش امام، بچوں کے لیے قرآن پڑھانے کے طور پر اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ تعلیمی ادارہ ہو تو اس میں استاد مقرر ہو جاتے ہیں۔ جمعہ کے خطبے تک دیتے ہیں۔''

نواب صاحب کے انگریز مہمان نے انہیں یہ بتا کر حیران کر دیا کہ "عظیم مدرسے" کے بنیادی اہداف یہ ہیں:

☆......مسلمانوں کو روایات، ذکر کے وظیفوں اور نظری مسائل میں الجھا کر قرآن سے دور رکھا جائے۔

☆......حضور اکرم ﷺ کا درجہ (معاذ اللہ) جس طرح بھی ہو سکے، گھٹایا جائے۔ کبھی یہ کہو کہ آپ ﷺ (نعوذ باللہ) رجل مسحور یعنی جادو زدہ تھے۔

اس انگریز نے یہ انکشاف بھی کیا کہ 1920ء توہین رسالت پر مبنی "رنگیلا رسول" نامی کتاب راجپال سے اسی ادارے نے لکھوائی تھی۔ اس طرح کئی برس پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کو جھوٹا نبی بنا کر کھڑا کرنے والا یہی ادارہ تھا۔ ان کی کتابوں کی بنیادی خاکہ لندن کی اسی عمارت سے تیار ہو کر جاتی تھی۔ خبر ہے کہ سلیمان رشدی کی کتاب لکھوانے میں بھی اسی ادارے کا ہاتھ ہے۔

خدایا ایسا نہ ہو کہ مغرب رہزن ہی میرا سماج رکھ لے
ہے فتنہ پرور نظام عالم تو اپنے مسلم کی لاج رکھ لے

اب جنگل کی حویلی کے ایک مکین سے ملاقات کیجیے۔ یہ واقعہ میرے دوست، حسین امیر فرہاد کے ساتھ کویت میں پیش آیا۔ واقعہ انہیں کی زبانی سنیے:

یہ 1979ء کا واقعہ ہے۔ ان دنوں میں کویت کی ایک کمپنی میں مندوب تعلقات العامہ (افسر تعلقات عامہ) تھا۔ ہماری کمپنی کے ڈائریکٹر نے سری لنکا سے گھر کے کام کاج کے لیے ایک خادمہ منگائی۔ دوسرے دن مجھ سے کہا "اس خادمہ کو واپس بھیج دو۔ وہ ہمارے کسی کام کی نہیں کیونکہ عربی جانتی ہے نہ انگریزی۔" میں اس کی دستاویزات لے کر متعلقہ جگہ پہنچا تو پتہ چلا کہ فی الحال سری لنکن سفارت خانہ موجود نہیں البتہ برطانوی سری لنکن باشندوں کے معاملات دیکھتے ہیں۔ برٹش کونسل میں استقبالیہ کلرک نے میرا کارڈ دیکھا تو مسٹر ولسن سے ملایا۔ وہ بڑے تپاک سے ملے اور بٹھایا۔ جب اس نے اندازہ لگایا کہ میں بھارتی یا پاکستانی ہوں، تو اردو میں کہا "میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" میں نے سری لنکن خادمہ کے متعلق بتایا، تو اس نے کہا "کوئی مسئلہ نہیں، اسے ہم رکھ لیں گے۔ آپ کا جو خرچ آیا، وہ ہم ادا کر دیں گے۔ یہ بتاؤ کہاں کے رہنے والے ہو؟"

میں نے کہا "پاکستان۔"

وہ بولا "وہ تو بہت بڑا ملک ہے۔"

میں نے کہا "پشاور کا رہنے والا ہوں۔"

پشتو میں پوچھا: "کون سی جگہ؟"

میں نے بتایا "نوشہرہ۔"

جب میں نے گاؤں کا نام بتایا تو اس کی آنکھوں میں عجیب چمک پیدا ہو گئی۔ پھر وہ مختلف لوگوں کا پوچھنے لگا۔ میں نے بتایا کہ کون مر گیا ہے اور کون زندہ ہے۔ میں نے سوچا، ہو سکتا ہے یہ نوشہرہ چھاؤنی میں ملازمت کرتا رہا ہو، لیکن اس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ لیکن اس نے کچھ اور کہانی سنائی۔ پہلے اس نے کافی منگائی، پھر انٹرکام پر کلرک سے کہا کہ اس کے پاس کسی کو مت بھیجنا۔ وہ اتنا خوش تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ کافی کے دوران اس نے بتایا "میں آپ کے گاؤں، محلہ عیسیٰ خیل میں چار سال تک پیش امام رہا ہوں۔"

میں نے پوچھا "کیا آپ مسلمان ہیں؟"

وہ بولا "میں نے چار سال تک آپ کے گاؤں کا نمک کھایا ہے۔ آپ کے گاؤں والوں نے مجھے بڑی عزت دی۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں عیسائی ہوں یعنی اہل کتاب۔"

اس کے بعد میرا اس کے ہاں آنا جانا رہا۔ وہ مجھے اپنا ہم وطن سمجھتا رہا اور تقریباً میرا ہم عمر تھا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ ہمارے ہاں پاکستان بننے کے بعد رہا تھا۔ ایک دن میں نے پوچھا "آپ پٹھانوں کا کھانا کیسے کھاتے رہے؟"

وہ کہنے لگا "آپ لوگوں کا کھانا اتنا مزیدار ہوتا ہے کہ میں یہاں آج بھی گھر جاتے ہوئے ایرانی تندور سے روٹی لے کر موٹر میں روکھی کھاتا ہوں۔"

جب میں کویت سے پاکستان آ رہا تھا تو میں نے اس سے وہی سوال پوچھا جسے وہ ہمیشہ ٹالتا رہا تھا۔ میں دریافت کیا "اب تو بتا دو کہ تم عیسائی ہو کر پٹھانوں کے گاؤں میں روکھی سوکھی کھاتے اور پیش امام کی خدمات انجام دیتے رہے......آخر کیوں؟"

وہ کافی دیر سر جھکائے سوچتا رہا، پھر سر اٹھا کر میری آنکھوں میں جھانکا اور کہا "ہمیں اپنے ملک کے مفادات کی خاطر بعض اوقات بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں لندن کے مضافات میں ایک مرکز ہے جہاں شکل و شباہت دیکھ کر انگریزوں کو بیرونی مذاہب اور زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر پھر ہمیں مختلف علاقوں میں بھیجا جاتا ہے۔"

گاؤں آ کر میں نے محلہ عیسیٰ خیل کے بزرگوں کو یہ واقعہ سنایا تو ایک بوڑھے طالب گل نے کہا "مجھے شک پڑا تھا، مگر سب کہہ رہے تھے کہ یہ چترالی ہے۔" وہاں اکثر چترالی مولوی پیش امام ہیں۔ وہ بھی گورے ہیں بالکل انگریزوں کی طرح۔ پھر طالب گل نے کہا "چلو بھائی، اب چار سال کی نمازیں لوٹائیں جو ہم نے انگریز کے پیچھے پڑھیں......خانہ خراب ہو اس کا۔"

جب میں نے جنگل کی حویلی کے متعلق پڑھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ مسٹر ولسن ضرور جنگل کی حویلی کا پروردہ تھا۔ (بشکریہ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ جولائی 2010ء)

standard. Under this code of life, the only thing that makes one different is the faith within, which none but Allah can gauge. When morality becomes a nation-building force, distinctions are dimmed away, because it is God alone who is authorised to judge on the basis of morality, not man. Morality is an equalizing force, and Islam makes the best of its potential to harmonize and make equal. Islam creates fidelity not to tribe or kin, race or nation, but to the moral code that ennobles and respects your humanity. These are the roots of a humane culture.

It is only so that inequalities of inferiority and superiority, powerful and powerless, developed and underdeveloped, strong and weak, man and woman, rich and poor will become extraneous to social life. It is then that the legendary "Mahmud" and "Ayaz" can become the sharers in a common culture, standing shoulder to shoulder, each a valuable link making the society whole.

> "But Man has not attempted the Ascent; Ah, what will convey unto thee what the Ascent is? (It is) to free a slave, and to feed in the day of hunger an orphan near of kin, or some poor wretch in misery; And to be of those who believe and exhort one another to perseverance, and exhort one another to piety."
>
> (Surah *Al-Balad*)

radicalism of the equality Islam brought about; the elevation it conferred upon man.

Salman the Persian h was welcomed to the ranks of the Muslim Brotherhood with open arms. He was never Arabised , and never dispossessed as the other . His distinctiveness was not only respected, but made the best of, when the Prophet a , taking his advice, ordered the digging of the trench (a Persian war strategy) to defend the city. The Islamic revolution never sought to unnaturally and forcibly harmonize or turn men into clones. It was this earliest Muslim community that had risen out of primitive tribalism that taught lessons in co-existence, in living with differences, in letting the other be, and seeking beauty in that otherness, as all come from Allah.

Yet, despite having embraced diversity with open arms as a sign of Allah, Islam never unnaturally softened borders , diluted and muddled identity, or erased necessary distinctions. Even while respecting other cultures, it never got awed by them. Poised in the strength of its own, it never lost its self-pride, never lost sight of its own distinction.

This outlook is worth emulating. For we need to resist the blows of cultural colonization so that we can stand our ground firmly. Even while respecting other cultures and giving them the right to exist, we need to be able to draw the line wherever the self-proclaimed superior culture attempts to encroach. The strength for self-preservation comes when you are convinced about what is valuable about you, so that you are prepared to defend its right to exist. Strength comes with this rare pride, this sense of belonging, of owning. Seeing a Persian-styled bow and arrow, the Prophet a disapproved of its use by Arab-Muslim soldiers, preferring the Arabian weapon instead. The lesson here is that pride in what is one s own and fidelity to it gives a nation the strength that makes it indomitable. Whenever a powerful culture seeks to imperialize, it capitalizes on the lack of fidelity for the indigenous among the colonized population, and replaces this with the mimetic adoption of the alien imperialist creed.

However, despite the loyalty to yourself, Islam demands that you keep a perfect balance of fidelity to one's own and tolerance and respect for the other. Therefore, nowhere does Islamic culture reek of fanatical patriotism and narrow nationalism. Most major confrontations in history have been fired by nationalism. Fanatical nationalism is a restrictive, confining, intolerant and dangerous sentiment. Islam rules it out with a bold stroke. The fact that Islam flourished and won a state for itself only after the Muslims had left their native city, renounced all tribal and filial links, and created a community knit together so wholly through the Belief that they shared, is significant in this regard. The idea of *Hijrah* was new to the Arabs. It was inconceivable to be leaving home, family, tribe and kin for an Ideal. But that is just Islam: living and dying for an Ideal that cannot be confined within delineations.

This means that your loyalty is not to race or territory, but to a Code of Life that respects humanity in all its shades and colours, that upholds Justice and human values. When you live by this Code of Life, its balance of *Adl* and *Ihsan* defines your culture. Culture becomes oppressive and imbalanced when power-dynamics enter the scene and begin to dictate the norms. Islam replaces the oppressive and discriminative power-dynamic with its powerful moral imperative of Justice, giving culture a whole new orientation. The emphasis on Justice (*adl & tawazun*) is immense in the Quran. The solution today lies in rediscovering that historic epoch that turned desert Bedouins world leaders, and modelling our own culture on that veritable ideal of the *ummatun wusata* firmly poised in its cultural values of *adl* and *ihsan*.

It is religion alone that sanctifies these human values and makes them inviolable. And it is Islam alone that elevates them to a veritable Code of Life so that it can direct the creation of the Ideal Culture. And it is Islam alone that gives us a practical model of an ideal community, culture and civilization created through belief and fidelity to that Code of Life. An Islamic society holds high its moral code which teaches us to distinguish not on the basis of any worldly

Memoona Sajjad

GOOD FENCES, GOOD NEIGHBOURS & THE IDEAL CULTURE

Globalization has hardly made us one global village. Concepts of racial and national distinctions, rivalries, hatred of the other and fanatical loyalty to your own narrow creed has only built up consistently. Tolerance, co-existence, respect for humankind are still things to be dreamt of merely. The media's global village is a dangerous place. It has barbed wire, minefields and war zones spread throughout its length and breadth. It is far from being a warm little community. Something has gone wrong somewhere.

All the gusto for breaking barriers has only made stronger, uglier, more impenetrable ones. Internationalizing a commercial culture has ended up breaking those natural barriers that make the world beautifully diverse, and erecting those that divide it into categories of superior and inferior, great and small, black and white, civilized and uncivilized.

It is an unequal struggle, where the powerful commercial culture is bound to eliminate the weaker, not respecting the guarding barriers of identity and individuality, distorting indigenous purity and simplicity, defacing identities. McDonald s eliminates roadside local eateries, foreign brands root out local enterprise. The media fuels up the invasion, until the concept of a superior and inferior culture, developed and underdeveloped way of living has made inter-cultural communication utterly impossible.

One wonders if an equitable co-existence of cultures is even possible; if men can ever think in human terms, beyond cultural symbols and the ideas of developed and underdeveloped ; if ever we can respect variety and look for the singular human essence within.

And yet looking back at our origins, we are reassured, for it has been done before --- 1,400 years ago, a society deeply entrenched in tribalism was unified, making it a whole, single *Ummah*.

Arabia, 6th century A.D, where tribalism was the way of life. Rising out of such a tribalized, fragmented social set-up, Islam achieved the Herculean task of erasing these tribal divisions forever, and causing to emerge out of this tribalist morass, a unified brotherhood, a fraternity, an *ummah* that subverted tribal kinship to the human singularity, the ideological vision that fellow-Muslims share. It was certainly a miracle of Islam that tribalist foes were knit together as a single community. This miraculous social epoch, this revolutionary creation of a unifying culture was wholly to the credit of the Islamic belief of pure *Tawhid* that elevates man to absolute equity, all humble slaves of the One True God in the Presence of Whom all stand equal; Who has the creation for His family .

Islam used no imposition, no homogenization, no imperialist cultural threat; it did not rely on power to root out an arbitrarily defined inferior ; The Islamic revolution involved no such tactics. Islam simply presented itself in its pristine glory and completely overturned *Jahiliyyah* from its very foothold. In the radicalism of its revolution, there was no imperious imposition, no colonial haughtiness. Islam respected otherness , valued variety and diversity, the colours Allah has spread on earth to make it warm and sunny, thriving and exuberant, in line with the Quranic verse: We made you into nations and tribes so that you could identify one another .

Bilal h , being a black slave, had no human rights in that society. After being set free, he was made the muezzin of Islam, with his characteristic Abyssinian lisp so dear to the Prophet a . Umar h used to refer to Abu Bakr h as Our master and the emancipator of our master (i.e, Bilal) . This was something unthinkable to the *Jahiliyyah* mindset. After the Conquest of Makkah, it was Bilal h , the black slave of yore, who ascended the roof of the *Kaabah* and made the first *Azan* there. The tribal chiefs of Makkah were appalled at this desecration of the Holy Place. This was the